سلسلہ تیغ وسپر عیسوی نمبر ۲

Mystery Religions and Christianity

Vol.1

A Reply to Objections against
Khwaja Kamal -u-Din's Books

Entitled "Sources of Christianity "

By

The Late Allama Barakat Ullah (M.A)
Fellow of the Royal Asiatic Society London

نور الہدیٰ

حصہ اول

مصنفہ

علامہ برکت اللہ ۔ ایم ۔ اے

بجواب

ینابیع المسیحت مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب قادیانی

1929

www.muhammadanism.org
(Urdu)
September 7, 2004

The Late Rev. Allama Barakat Ullah
M.A.F.R.A.S

دعائے دنیائے اسلام" اے خدا! ہم کو سیدھی راہ پر چلا"

جواب مسیح - راہ، حق اور زندگی میں ہوں"

رسالہ

نور الہدیٰ

بجواب

ینابیع المسیحیت مصنفہ خواجہ کمال الدین قادیانی

حصہ اول

موسوم بہ

مسیحیت اور مشرکانہ مذاہب

نذر

میں اس ناچیز تالیف کو کمالِ محبت اور عقیدت کے ساتھ

پادری - سی - بی - ینگ صاحب ایم - اے دہلوی

کی خدمت بابرکت میں پیش کرتا ہوں

کیونکہ

میں نے آپ ہی سے تحقیق کا ذوق سیکھا

برکت اللہ

فہرست مضامین

مقدمہ

(۱)

قرآن اوراس کے معاصرین

قرآن کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ہم پر روشن ہوجاتی ہے کہ جب رسول عربی کفارمکہ کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن کے حصص ان کے سامنے پڑھتے تھے تووہ حضرت کو جواب دیتے تھے کہ " یہ قرآن تو نرا جھوٹ ہے۔ جسے اس نے (محمد نے) گھڑلیا ہے اوراس (گھڑت)میں اورلوگوں نے اس کی مدد کی ہے---۔ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے کسی سے لکھوالیا ہے اور وہی صبح وشام اس کو پڑھ پڑھکر سنائی (اور یاد کرائی)جاتی ہیں"۔ (فرقان آیت ۵، ۶) اس کا حضرت نے یہ جواب دیا کہ" جس شخص کی طرف (اہل مکہ سکھانے کی) نسبت کرتے ہیں ان کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان (میں) ہے" (نحل ۱۰۴ آیت)لیکن اس جواب سے منکرین مکہ کی تشفی نہ ہوئی اور وہ یہی کہتے رہے کہ یہ " قرآن تو پریشان خیالات کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے (محمد نے) جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنالی ہیں"(انبیاآیت ۵)۔ کفار میں سے ایک شخص نضر بن حارث تھا جو فارس کے قصے کہانیاں لوگوں کو سناتا اور کہتا کہ محمد تم کوعادو ثمود کی پرانی کہانیاں سنایا کرتے ہیں میں ان سے بہتر رستم واسفندیار کے کارنامے سناتا ہوں اوراس کی باتوں میں آجاتے اوراس سے اہل فارس کی کہانیاں سنتے (نذیر احمد ترجمہ القرآن حاشیہ) اوریوں وہ آیات الہیٰ کی ہنسی اڑاتا" تھا (لقمان آیت ۵)۔ ولید بن مغیرہ رئیس مکہ سے جب قرآن کی نسبت پوچھا گیا تو" اس نے سوچا اور اندازہ کیا(کہ کیسا کلام ہے) تواس کو (خدا کی)مار(دیکھو تو) کیسا اندازہ کیا۔ پھر اس کو (خدا کی)مار (دیکھو تو) کیسا اندازہ کیا(کہ اگلوں کی کہانیاں ٹھیرایا)پھر(دوبارہ) غور کیا۔ پھر ناک چڑھائی اور براسا منہ بنایا۔ پھر پیٹھ پھیر کر چلتا بنا اور شیخی میں آگیا اورلگاکہنے کہ یہ (قرآن) تو بس (ایک قسم کا)فریب ہے جو نقل ہوتا چلاآتا ہے "(مدثر آیات ۱۹ تا ۲۵ ترجمہ نذیراحمد)پس جب حضرت کفار کے سامنے دعوی رسالت کے ثبوت میں قرآن پیش کرتے اورکہتے کہ خدا نے یہ قرآن مجھ پر نازل کیا ہے اس کو سنو تووہ کہتے کہ" (ہاں جی ہاں) ہم نے سن (تو)لیا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس طرح کا (قرآن)لکھ لیں یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں اور بس"(انفعال آیت ۳۱ ترجمہ نذیر احمد) بالاآخر حضرت کو اقرار کرنا پڑا کہ " یہ قرآن اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے ۔ کیا ان (اہل مکہ)کے لئے یہ (اس کی صداقت کی) دلیل نہیں کہ بنی اسرائیل کے عالم اس سے واقف ہیں "؟(شعراآیت ۱۹۲)۔

قرآن کے ماخذ اور دور حاضرہ کی تحقیق

دور حاضرہ تحقیق وتدقیق کا زمانہ ہے۔ علمائے مغرب قرآن اور دیگر ادیان عالم کی کتب کامطالعہ کرکے بجنسہ اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ جس پر حضرت محمد کے معاصرین پہنچے تھے کہ قرآن دیگر ادیان کی کتب سے ماخوذ ہے۔ ربی گیگر نے ۱۸۳۳ء میں کتاب " یہودیت اوراسلام "(Judaism and Islam) تحریر کی اور ثابت کردیا کہ اسلام یہود کامقروض ہے رئیس المتکلمین پادری ٹسڈل صاحب نے ینابیع الاسلام اور امام المناظرین مسٹر اکبر مسیح صاحب مرحوم نے تالیف قرآن ، پادری گولڈ سیک صاحب نے ینابیع القرآن اور پادری سلطان محمد خان نےہمارا قرآن لکھ کر یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچادیا کہ قرآن " ایک تالیف ہے جو یہودی،عیسائی ، صابئی ، عربی ، زرتشتی حکایات اور رسمیات واعتقادات وتعلیمات پر مشتمل ہے"۔(تالیف) نمبر ۱ مولوی خدا بخش صاحب ایم ۔ اے ۔ بی ۔ سی ۔ ایل جو کلکتہ یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کے پروفیسر ہیں اسی مضمون پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " اسلام درحقیقت یہودیت اور مسیحیت کی محض ریوایزڈ(نظر ثانی)ایڈیشن ہے۔ حضرت محمد نے کبھی جدت کا دعویٰ نہیں کیاآپ کا اصرار صرف اس ایک بات پر تھا اوراسی بات کوآپ موقعہ بے موقعہ کہتے تھے کہ آپ کا مشن یہودیوں اور مسیحیوں کے ان خیالات کی تنقیح کرنا تھا جن کو آپ غلط خیال فرماتے تھے تاکہ یہودیت اور مسیحیت اپنے اصلی روپ میں نظر آئیں اور دین ابراہیم پھر از سر نوبحال ہوجائے۔۔۔۔ حضرت محمد کا مذہب دیگر ادیان کا انتخاب تھا آپ نے یہودیت ، عیسائیت اور فارسی مذہب سے ماخوذ کیا۔ اور نہایت آزادی سے ماخوذ کیا۔آپ نے یہودیت اور مسیحیت کا خود مطالعہ نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جو قصص آپ نے بتائے ہیں ان میں غلط بیانی پائی جاتی ہے۔ یہ قصص اس بات کو صاف طور پر ثابت کرتے ہیں کہ آپ کے ماخذ روایات تھیں جوآپ نے اپنے اور دیگر ممالک کے لوگوں سے سنی تھیں۔ قرآن شریف ان قصص سے بھرا پڑا ہے۔ اور اسلام ان بیرونی تاثرات سے معمور ہے"۔[1]

ایک اور صاحب بنام عبدالمالک رسالہ نگار بابت ماہ نومبر ۱۹۲۸ء میں ینابیع الاسلام کی نسبت فرماتے ہیں کہ " ڈاکٹر ٹسڈل صاحب نے اس " ثابت کیا ہے کہ قرآن میں قدیم عرب ، یہود ، صابی ، نصرانی، مجوسی اور حنفی کے معتقدات اوراعمال ہیں۔ لیکن یہیں تک سخن کا سلسلہ ہوتا تومضائقہ نہ تھا۔ کیونکہ قرآن مجید کا تو دعویٰ ہے ذالک دین القیم اوران ھذا الفی الصحف الاولی یہود نصرانی اورحنفی کے عقائد اور اصول مذہبی اگر قرآن مجید میں ہیں تو اعتراض ہی نہیں چونکہ قرآن مجید نے لفظاً ان سالک سے استسناد کیا ہے۔۔۔۔ اسلام کا دعویٰ ہے " کل قوم ھاد" زردشت کی بعض تعلیم قرآن میں اگر پائی جاتی ہے

---

[11] A Mohammedan View of Islam and Christianity, by S.Khuda Baksh, Moslem World for October,1926 .pp.365-66

تو مضائقہ نہیں"۔ سید مقبول احمد صاحب بی۔ اے رسالہ نگار بابت ماہ جولائی ۱۹۲۸ء میں ان امور کا اقبال کرتے ہیں۔

سر سید مرحوم نے بھی اپنی کتاب خطبات احمدیہ کے تیسرے خطبہ میں ان امور پر بحث کی ہے اور اس آزاد خیال محقق نے ڈاکٹر ٹسڈل کے تمام دعووں کو مان لیا ہے۔ خطبہ کے آخری حصہ میں آپ فرماتے ہیں " اس مقام پر اگر کسی محقق اور صداقت کے متلاشی مزاج آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر یہی حال ہے تو اسلام اصول اور عقائد متفرقہ اور منتشرہ مذاہب سابق کی محض ایک ترتیب اور اجتماع کا نام ہے جو ادھر اُدھر سے جمع کرلئے ہیں اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسلام کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو۔ لیکن ہر ذی فہم شخص پر یہ بات ظاہر ہوگی کہ یہ مشابہت اور مماثلت اصول اور عقائد مذہب اسلام کی دیگر مذاہب الہامی کے اصول وعقائد سے مذہب اسلام کے پاک اور الہامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے"صفحہ ۲۲۳۔

ناظرین خود ملاحظہ کرسکتے ہیں کہ ان مسلم علمانے اور بالخصوص سرسید نے رسول عربی کی طرح اقرار کرکے صرف آپ کے قول (مندرجہ سورہ شعر آیت ۱۹۶) کو دہرایا ہے اور قرآن واسلام کی صداقت کی بھی وہی دلیل دی ہے جو حضرت نے اپنے معاصرین کو دی تھی۔

(۳)

دورِ حاضرہ کی تحقیق کے نتائج

اب " صداقت کا متلاشی مزاج آدمی " یہ سوال پوچھ سکتا ہے کہ " اگر اسلام اصول اور عقائد متفرقہ اور منتشرہ مذاہب سابقہ کی محض ایک ترتیب اور اجتماع کا نام ہے جو ادھر اُدھر سے جمع کرلئے ہیں" تو وحی اور الہام کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی اور ان قرآنی دعووں کا کیا حشر ہوا کہ " ہم نے اس (قرآن) کو (شب قدر کی) مبارک رات میں (پہلے پہل) اتارا"۔ (دخان آیت ۲)" ہم نے قرآن قدر کی رات میں اتارا ہے"۔ (قدر آیت ۱)" یہ قرآن بڑی شان والا ہے اور لوح محفوظ پر لکھا ہے " (بروج آیت ۲۲)" کچھ شک نہیں کہ یہ (قرآن) پروردگارِ عالم کا اتارا ہوا ہے اس کو جبرئیل امین نے (ہمارے حکم سے) سلیس عربی زبان میں تمہارے دل پر القا کیا ہے"۔ (شعر آیت ۱۹۴)" حق تو یہ ہے کہ اس (قرآن) کو تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس (یعنی جبرئیل) نے نازل کیا ہے" (نحل آیت ۱۰۴)۔ " یہ قرآن اسی (جبرئیل) نے خدا کے حکم سے تیرے دل پر نازل کیا ہے"(بقر آیت ۹۱) میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے کہ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے"۔

مندرجہ بالا ادعائے قرآن سے ظاہر ہے کہ قرآن کسی شخص کی تالیف نہیں اور نہ کسی بشر کا کلام ہے اور نہ کسی اور انسانی کتابوں سے ماخوذ ہے بلکہ اس

کا سرچشمہ خود ذات خدا ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اس کا کوئی دوسرا ماخذ نہیں ہے۔ جو ذات باری کے پاس لوح محفوظ پر لکھا موجود ہے اور جبرائیل امین نے پروردگار عالم کے حکم سے سلیس عربی زبان میں رسول عربی کے قلب پر بذریعہ وحی القا کیا ہے جس کو حضرت نے بجنسہ اپنے ہم وطنوں تک پہنچا دیا اور اس میں انسانی عنصر یا انسانی دماغ کا رتی بھر دخل نہیں۔

اہلِ اسلام کا عقیدہ الہام مندرجہ بالا آیات پر مبنی ہے اور قرآنی دعوؤں کے موافق یہ ہے کہ قرآن کا ایک ایک حرف ذات باری سے صادر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم فرماتے ہیں کہ " جبرئیل پیغمبر کے پاس وحی لاتے اور وہ اس کو بے کم وکاست پہنچاتے رہے"(حاشیہ برسورہ شعرا آیت ۱۹۴)۔ سرسید مرحوم بھی فرماتے ہیں " جب کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پیغمبر خدا پر نازل ہوتی تھی توآنحضرت کسی کاتب کو بلاتے تھے اور بجنسہ وہی الفاظ جو بذریعہ وحی کے القا ہوتے تھے لکھوادیتے تھے تاکہ لوگ اس کو بخوبی یاد کرلیں اور وہ محفوظ رہیں" خطباب احمدیہ نمبر ۴۱۸۔

اب ایک " محقق اور صداقت کے متلاشی مزاج آدمی" کے سامنے دو امور پیش کئے جاتے ہیں علما کا دعویٰ جس کو سرسید جیسے نکتہ سنج شخص نے تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن کے اکثر اجزا اور عقائد دیگر ادیان کی کتب سے لئے گئے ہیں اور قرآن کا دعویٰ کہ اس کے الفاظ پروردگار نے براہِ راست لوح محفوظ سے آنحضرت کے دل پر بذریعہ وحی القا کئے ہیں جن میں انسانی عنصر کا دخل نہیں۔ کوئی محقق دونوں دعوؤں کو قبول نہیں کرسکتا۔ پہلے کے انکار سے دوسرے کا اقرار لازم آتا ہے اور دوسرے کے انکار سے پہلے کا اقرار لازم آتا ہے۔ علمائے اسلام کوئی تیسری راہ اب تک نہیں نکال سکے اور نہ علم منطق ان کو نکالنے دیتا ہے۔

(۴)

ینابیع الاسلام اور مرزا صاحب قادیانی

رسالہ ینابیع الاسلام اور تالیف القرآن اردو خوان پبلک کے سامنے پچیس سال سے زائد عرصہ سے ہیں۔ ان کی اشاعت کے چار سال بعد مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ان کو جواب میں چھیالیس صفحہ کا ایک طول بلاطائل رسالہ لکھا۔ جس میں سے صرف آٹھ ورق ینابیع الاسلام کی بحث سے دور کا واسطہ رکھتے ہیں اور باقی ماندہ صفحے حضرت مرزا صاحب نے " نجات حقیقی " کے مضمون پر سیاہ کئے ہیں۔ ان آٹھ ورقوں میں بہت سی گالیاں اور خارج از بحث باتیں موجود ہیں۔ بالخصوص اپنے " مسیح موعود" اور" مہدی مسعود" ہونے کے باطل دعوؤں کو بار بار تقریباً ہر صفحہ پر دہرایا ہے اور یہ رونا رویا ہے کہ " اکثر مسلمان اپنی غفلت کی وجہ سے ہماری کتابوں کو نہیں دیکھتے اور وہ برکات جو خدا تعالیٰ نے ہم پر نازل کئے یہ لوگ بالکل اس سے بے خبر ہیں اور نادان مولویوں نے ہمیں کافر کافر کہنے سے ہم میں اور عام مسلمانوں میں ایک

دیوار کھینچ دی ہے"صفحہ ا پھر سری نگر کشمیر والی قبر اور مرہم عیسیٰ کی دنیا کو خوشخبری دی ہے(صفحہ ۲، ۱۸) " اپنے تین ہزار سے زیادہ معجزات " کا دعویٰ کیا ہے اور عیسایئوں کی نسبت آپ کا نشاط آفریں قلم کہتا ہے کہ " ان کا خدا مردہ ، ان کا مذہب مردہ ان کی کتاب مردہ اور جو روحانی آنکھ کے نہ ہونے سے خود مردے ہیں جو طرح طرح کے افتراؤں اور مکروں اور فریبوں اور دھوکہ دہی اور محض جعلی اور بناوٹی باتوں سے کام " لیتے ہیں جو" سیاہ دل لوگ ہیں جن کو خدا کا خوف نہیں جن کی مذہبی کتابوں کا ذخیرہ ایک ایسا ردی ذخیرہ ہے جو نہایت قابل شرم ہے " اور یوں اس چودھویں صدی کے پنجابی نبی نے قرآن کی تصدیق کی جس میں اللہ تعالیٰ نے سہواً فرمادیا تھا کہ أُوْلَـئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ(بقرہ آیت ۵)۔ یعنی " عیسائی سیدھی راہ پر ہیں اپنے رب سے اوروہ نیک بخت ہیں"۔ پھر ان کے حق میں فرمایا" اہل کتاب نیک بات کا کلام کرتے ہیں اور ناپسند کو منع کرتے ہیں۔ وہ نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اوریہی لوگ صالح ہیں"(عمران آیت ۱۱۲)۔جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے معتبر تھے کہ رسول عربی کو حکم ہوا کہ اگر تجھے کچھ شک ہے اس امر میں جو ہم نے تیری طرف نازل کیا توان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں" (یونس آیت ۹۴)۔جس کتاب کو قرآن " امام" ہدایت " اور"نور " بتاتا ہے اس کو قادیان کا نبی " مردہ" بتاتا ہے اور " ایسا ردی ذخیرہ جونہایت قابل شرم ہے" اورخدا تعالیٰ کی تکذیب کرنے سے نہیں ڈرتا۔ پھر خداوند عالمین قبلہ عالمیان منجئی جہاں ربنا سیدنا عیسیٰ مسیح کو بھی کوسا ہے اوراس بیسویں صدی کے مجدد اسلام نے وجیھا فی الدنیا والاخرۃ کوگالیاں دے کر اپنی مسلمانی کا ثبوت دیا ہے۔

ع سر دوستاں سلامت کو تو خنجر آزمائی

آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بی بی مریم صدیقہ کی شان میں بھی پُراز افترا باتیں مرزا صاحب غفر اللہ ذنوبہ نے سپرد قلم کی ہیں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زنا یمیں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ہم حیران ہیں کہ کیا دشنام طرازی کو ترک کرکے شریفانہ طور سے دلائل وبراہین پیش نہ کئے جاسکتے۔ ع

ہم اگر عرض کریں گے توشکایت ہو گی

آپ نے اپنے ناشائستہ الفاظ کی بریت میں یوں قلم فرسائی کرتے ہیں کہ " ہماری قلم سے حضرت عیسیٰ کی نسبت جو کچھ خلافِ شان نکلا ہے ۔ وہ الزامی جواب کے رنگ میں ہے اور وہ دراصل یہودیوں کے الفاظ ہم نے نقل کئے ہیں " گویا آپ یہودی بن کر عیسائیوں کے مقابل آتے ہیں کیا حمایت اسلام اسی بات کا نام ہے کہ آپ دائرہ اسلام سے باہر نکل جائیں اوراپنے مسلمات کا انکار کریں۔ مرزا صاحب کے اس افسوسناک وتیرہ کی وجہ سے سب خلف وسلف مرزائی جماعت کاطغرائے امتیاز ہو گیا ہے۔

مامریداں روسوئے کعبہ چوں آریم چوں
روبسوئے خانہ خمار دار دپیرما

مرزا صاحب کی عدم واقفیت

قصہ کوتاہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے رسالے کے یہ آٹھ ورق بھی اسی طرح کی گل افشانیوں میں سیاہ کردیئے ہیں جن کا تعلق ینابیع الاسلام کے مبحث سے بالکل نہیں۔خاص بحث کے متعلق صرف چند فقرات ہیں جن کا پول ہم طشت ازبام کئے دیتے ہیں ۔آپ فرماتے ہیں " اناجیل وغیرہ کا ذخیرہ جوچھاپہ خانہ کے ذریعہ سے اب ملا ہے عرب میں کوئی ان کو جانتا بھی نہ تھا اور عرب کے لوگ محض اُمی تھے ۔ اور اگر اس ملک میں شاذونادر کے طور پر کوئی عیسائی بھی تھا وہ بھی اپنے مذہب کی کوئی وسیع واقفیت نہیں رکھتا تھا" صفحہ ۴ گویا مرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ نہ عرب میں اہل کتاب بستے تھے اور نہ کتاب مقدس سے کوئی واقف تھا۔ عرب کی تاریخ مرزا صاحب کے ایک ایک لفظ کو جھٹلاتی ہے۔ سرسید احمد خاں بالقابہ خطبات احمدیہ میں فرماتے ہیں کہ " یہودی مذہب عرب میں ان یہودیوں کے ساتھ آیا تھا جو پانچویں صدی حضرت مسیح شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب ان کی مضطرب حالت نے سکون اور قرار پکڑا تو انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا اور قبیلہ کنانہ اور حارث ابن کعب اور کندہ کے بعض لوگوں کو اپنے مذہب میں لائے ۔ جب یمن کے بادشاہ ذونواس حمیری نے مذہب یہود اختیار کیا اس نے تب اور لوگوں کو بھی بالجبر اس مذہب میں داخل کرکے اس کو بہت ترقی دی۔اس زمانہ میں یہودیوں کو عرب میں بڑا اقتدار حاصل تھا اور اکثر شہر اور قلعے ان کے قبضے میں تھے"۔صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳۔ اسی ذونواس نے بیس ہزار کے قریب عیسائیوں کو زندہ جلادیا کیونکہ وہ یہودی نہیں ہوتے تھے (مشارق الانوار)۔صاحب کوائف العرب سرسید کے اقوال پر تبصرہ کرکے لکھتا ہے کہ "اگرچہ سرسید نے صرف قبیلہ کنانہ ، حارث بن کعب اور کندہ کا ہی یہودی ہونا مانا ہے مگر ابن ہشام عرب کے یہودی قبائیل کی فہرست میں اچھا خاصہ اضافہ کرتا ہے جن کے نام ذیل میں درج ہیں۔مثلاً بنی عوف۔ بنی نجار، بنی حرث ،بنی ساعدہ ، بنی جشم، بنی اوس، بنی ثعلبہ ، بنی شطہ صفحہ ۱۷۸ تا ۱۸۰ قبیلہ طے جس میں سے کعب بن اشرف مشور آدمی تھا۔ قنیقاع ، بنی قریظہ ، بنی زریق، بنی نصیر بنی حارثہ ، بنی عمرو بن عوف صفحہ ۱۸۳ تا ۱۸۴ ۔ بنی مصطلق صفحہ ۳۵۵۔ اگران کے ساتھ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں سول سرجن مرحوم کی تفسیر القرآن بالقرآن کے صفحہ ۵۹۹ تا ۶۱۳ پڑھ کر بنی غالب ، اہل تہامہ ، غطفان ، اہل نجد کے نام یہودی قبائل میں شامل کرلیں۔" (کوائف العرب صفحہ ۱۳۱) تو حضرت مرزا صاحب کی عدم واقفیت اورآپ کے جواب کی بطالت عیاں ہوجاتی ہے ۔ مولوی شبلی نعمانی فرماتے ہیں " حمیر نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا۔ اسی زمانہ کے قریب حبشیوں (یعنی عیسائی سلطنت)نے عرب کے جنوب میں حکومت قائم کرنی شروع کی اور ایک زمانہ میں حمیریوں کہ

شکست دے کر اپنی مستقل حکومت قائم کرلی۔ اس عہد کا ایک کتبہ جو آج کل ہاتھ آیا ہے اس پر یہ الفاظ ہیں " رحمان۔ مسیح اور روح القدس کی قدرت وفضل ورحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرتہ نے کتبہ لکھا جو کہ بادشاہ حبش اور اراحمیس ذبی مان کا نائب الحکومت ہے "(سیرۃ النبی صفحہ اول صفحہ ۱۰۶) پھر مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ "حمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعت فتوحات کی روایتیں عرب میں اس قدر متواتر ہیں کہ ان کے قدر مشترک سے انکار نہیں کیا جاسکتا "(ایضاً) سرسید صاحب بالقابہ فرماتےہیں " یہ بات محقق ہے کہ عیسوی مذہب نے تیسری صدی میں ملک عرب میں دخل پایا تھا۔۔۔۔ اول مقام جہاں کہ یہ بھاگے ہوئے عیسائی آباد ہوئے تھے نجران تھا اوراس سے پایا جاتا ہے کہ وہاں کے معتدبہ لوگوں نے عیسوی مذہب قبول کرلیا تھا "صفحہ ۲۱۴ اس کے علاوہ آپ فرماتے ہیں کہ " قبایل حمیر ۔ غسان ۔ ربعیہ ۔تغلب ۔ بحرو۔ تونخ۔طے ۔قودیہ اور حیرہ میں معدود اشخاص " نے مذہب عیسوی کی تقلید کی تھی صفحہ ۲۱۵ مرزاقادیانی کے شاگردرشید مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت لاہوری بھی یہی فرماتے ہیں اورکہتے ہیں کہ " عیسائی مبلغین تیسری صدی میں عرب میں ایک بڑی تعداد میں آگئے ان کی تبلیغی مساعی کو عرب کی قریبی دو مسیحی طاقتوں سے بڑی مدد یعنی مغرب کی جانب ابی سینیا کی عیسائی مملکت اور شمال کی جانب رومی عیسائی سلطنت نے ان کی مدد کی "۔ پھر[2] فرماتے ہیں

[2] Muhammad The Prophet.pp.32–33

کہ " جس سال رسول پیدا ہوئے یمن کے عیسائی بادشاہ نے اپنے دراسلطنت صنعا میں ایک عالیشان گرجاگھر تعمیر کیا تاکہ عرب کے لوگ کعبہ کے بجائے وہاں جایا کریں[3]۔ سرسید احمد خطبات احمدیہ میں ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ " ان متفرق اعراب ستنصرہ کی وساطت سے حضرت مریم کی تصویر یامورت حضرت عیسیٰ کو گود میں لئے ہوئے خانہ کعبہ کے اندرونی دیواروں پر " موجود تھی۔ حجاز کا بادشاہ عبدالمسیح عیسائی تھا۔ (کوائف العرب صفحہ ۱۳۷)۔ بحرین، حیرہ، غسان، رومتہ الجندل، ابلہ، صحرائے فاران کے حکمران بھی عیسائی تھے (کوائف العرب صفحہ ۱۴۸)۔ مزید براں حضرت رسول عربی کے ہمعصر یہودیت اور عیسائیت سے متاثر تھے۔ چونکہ ہمیں اختصار منظور ہے ہم صرف چند نام جو تاریخ عرب میں مشہور ہیں بتاتے ہیں یعنی قیس بن ساعدہ، زید بن محمد، عثمان بن الحوارث،زید بن عمر وبن فضیل جس کے ساتھ حضرت ملے بھی تھے۔ صاحب مناہج النبوت بتاتا ہے کہ " امیہ بن ابی الصلت قدیم کتابیں پڑھا ہوا تھا اور نصاریٰ کے دین پر تھا" جلد دوم صفحہ ۲۳۰ ورقہ بن نوفل کی نسبت صحیح مسلم کتاب الایمان باب ہداء الوحی میں آیا ہے کہ وہ خدیجہ کے چچا کے بیٹے تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں عیسائی ہوگئے تھے" ورقہ کی نسبت مولانا شبلی فرماتے ہیں " ورقہ عیسائی ہوگئے تھے اورچونکہ حضرت خدیجہ کے برادر عم زاد تھے اورمکہ ہی میں رہتے تھے اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ آپ ان سے بھی ملے ہوں گے بعض

[3] Ibid p.51

روایتوں میں ہے کہ ان سے آپ کی دوستی تھی"(سیرۃ النبی حصہ اول صفحہ ۱۸۰)۔ جب حضرت کو رسالت کی بلاہٹ آئی تو مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ " حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لوا گئیں جو عبرانی زبان جانتے تھے اور توریت وانجیل کے ماہر تھے (صفحہ ۱۸۸ ایضاً)روایت ہمیں بتاتی ہے کہ جب حضرت ابھی جوان تھے آپ نے قوس اسقف نجران کی مندی سے خط اٹھایا تھا۔ عبید اللہ بن حجش جو عبدالمطلب کے نواسے تھے وہ بھی ابی سینیا میں عیسائی ہوگئے تھے اور حضرت نے اس کی بیوہ ام حبیبہ کے ساتھ مابعد کے زمانہ میں شادی کی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت کی لونڈی ماریہ قبطی عیسائی تھی۔ پس مرزا صاحب کا دعویٰ کہ " عرب کے ملک میں شاذونادر کے طور پر عیسائی تھا" بالکل غلط ہے ۔ چار سطر بعد آپ خود لکھتے ہیں " عرب کے عیسائی لوگ جو اسلام کے سخت دشمن تھے" ہم دکھا چکے ہیں کہ آپ کا یہ قول بھی غلط ہے کہ" اناجیل کو عرب میں کوئی جانتا بھی نہ تھا"خود ورقہ حضرت کا رشتہ دار بقول صحیح مسلم انجیل کے مترجم اور بقول شبلی نعمانی "توریت وانجیل کے ماہر تھے"۔ بفرض محال اگر عرب میں انجیل و تورات مفقود تھی تو قرآن کا بار باران کو بین یدیہ (جو تمہارے ہاتھوں میں ہے) قرار دینا بے معنی ثابت ہوگا۔

پھر آپ کی دوسری اور آخری دلیل یہ ہے کہ " اگر فرضِ محال کے طور پر قرآن شریف میں سرقہ کے ذریعہ سے کوئی مضمون ہوتا تو عرب کے عیسائی لوگ جو اسلام کے سخت دشمن تھے فی الفور شور مچاتے کہ ہم سے سن کر ایسا مضمون لکھا ہے"صفحہ ۴" عیسائیوں کے لئے اس وقت یہ بات نہایت سہل تھی کہ وہ بعض قصے نکال کر پیش کرتے کہ ان کتابوں سے قرآن شریف نے چوری کی ہے اس صورت میں اسلام کا تمام کاروبار سرد ہوجاتا "صفحہ ۵ قرآن خود گواہ ہے کہ منکرین رسالتِ محمدیہ نے یہی کیا اور بار بار قرآن کو اساطیر الاولین قرار دے کر حضرت کے خلاف دلائل لاتے رہے۔ ان کے چند دلائل جو قرآن مجید میں ملتے ہیں ہم نے اسی مقدمہ کے شروع میں نقل بھی کئے ہیں۔ منکرین" شور مچاتے" رہے کہ " ہم سے سن کر ایسا مضمون لکھاہے" ہم ناظرین کی توجہ کتاب تالیف القرآن کی طرف مبذول کرتے ہیں جس میں اس امر پر شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

(۵)

ینابیع الاسلام اور ینابیع المسیحیت

جب اہلِ اسلام سے کچھ بن نہ پڑا تو اب پچیس سال کے بعد خواجہ کمال الدین صاحب نے ینابیع المسیحیت تحریر کرکے ایک الزامی جواب عیسائیوں کو دیا اس رسالہ میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسیحیت کی روایات اصطلاحات اور رسمیات وغیرہ قدیمی مذاہب باطلہ کی روایات سے مسلمتاً اخذ کی گئی ہیں! !

نہ پیروی قیس نہ فریاد کریں گے ہم طرزِ جنوں اورہی ایجاد کرینگے

خواجہ صاحب کی کتاب کا نفس مضمون اوراس کا نام خود یہ بتلارہے کہ وہ ینابیع الاسلام کے جواب میں بطور الزامی جواب کے تحریر کی گئی ہے۔ لیکن

اولاً۔ الزامی جواب درحقیقت کوئی جواب نہیں ہوتا اور نہ اصول منطق کے مطابق اس کی کوئی وقعت یا قدر ہے کیونکہ اگرایک شخص کسی باطل عقیدے کا پیروہے تو وہ معترض کے عقیدہ کو باطل ثابت کرکے اپنے باطل عقیدہ کو حق بجانب ثابت نہیں کرسکتا۔ پس اگر بفرض محال مسیحیت کے اصول مذاہب باطلہ سے اخذ کئے گئے ہیں تواس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ قرآن اوراسلام یہودی عیسائی صابی، عربی، زرتشتی حکایات رسمیات اعتقادات وتعلیمات پر مشتمل نہیں۔ الزامی جواب درحقیقت جواب دینے والے کا عجز ظاہر کرتا ہے۔

پھر بفرض محال اگرہم خواجہ صاحب کے دعوے کو صحیح بھی خیال کریں تو بھی مسیحیت کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ عیسائیوں کا عقیدہ الہام اہلِ اسلام کا سا نہیں ۔ اہلِ اسلام کے عقیدہ میں انسانی عنصر کا بالکل دخل نہیں قرآنی عبارت اور الفاظ الہٰی الفاظ ہیں جو بوساطت جبرئیل امین رسول عربی کے دل پر القا کئے گئے اورپھر لکھوائے گئے ۔ پس انسانی دماغ اور تجربہ کا الہام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب ینابیع الاسلام کے اعتراضات قرآن پروارد ہوتے ہیں۔ لیکن مسیحیت اس قسم کے باطل خیالات کی قائل نہیں لہذا کتاب ینابیع المسحیت کے اعتراضات اس پروارد نہیں ہوسکتے۔ مسیحیوں کا یہ ایمان ہے کہ الہام میں انسانی عنصر کو دخل ہے اور خدا انسانی خیالات جذبات اور تجربات کے ذریعہ بنی نوع انسان سے ہم کلام ہوتا ہے اور کہ دنیا کی کسی امت کو اس نے ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا۔ پس کوئی مذہب ایسا نہیں جو بالکل تاریکی اور بطالت ہو اورجس میں دھیمی طور سے بھی صداقت کی جھلک دکھائی نہ دیتی ہو۔ مختلف مذاہب میں تاریکی کے مختلف درجے ہیں بعض میں تاریکی کا عنصر زیادہ ہے بعض میں آفتاب صداقت کی روشنی زیادہ ہے ۔ پس ہر قوم اور ہر ملت کے مذاہب مسیحیت کی آفتابی روشنی کے گواہ ہیں مسیحیوں کا یہ ایمان ہے کہ کلمۃ اللہ "حقیقی نور" تھا" جو ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے"(یوحنا ۱ : ۹)اوریہی نور ہر مذہب کی "تاریکی میں چمکتا " رہا ہے۔ یہ تمام مذاہب مسیحیت کے پیش روا اور پیش خیمہ تھے جو مسیحیت کی کامل روشنی کے لئے راہ تیار کررہے تھے۔ "اگلے زمانوں میں خدا نے حصہ بحصہ اورطرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کیا اور اب اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا" جو اس کے جلال کا پرتو اوراس کی ذات کا نقش ہے"(عبرانیوں ۱ : ۱ تا ۲)خدا نے مشرکین سے بھی کلام کیا اورجیسا اس رسالہ کے باب اول سے ظاہر ہے ان مشرکانہ مذاہب میں خوبیاں بھی تھیں جو کلمۃ اللہ کی ازلی روشنی کی جھلک تھیں اور جنہوں نے مسیحیت کی راہ تیار کی پس اگر مسیحیت میں ان خیالات کی جھلک ملتی بھی ہے تو کوئی ہرج واقعہ نہیں

ہوتا کیونکہ یہ جھلک کلمۃ اللہ کے نور کی ہی جھلک ہے جوہر "ایک آدمی کو روشن کرتا ہے"۔

ثانیاً۔ رسالہ ینابیع المسیحیت میں خواجہ کمال الدین صاحب نے ملاحدہ یورپ کے ان خیالات کوجو انیسویں صدی میں مغربی ممالک میں رائج تھے اردو جامہ پہنا کر پبلک کے روبروپیش کردیا ہے۔ یہ آپ کی ناعاقبت اندیشی پر دال ہے کہ آپ نے مسلمانی کام دم بھرتے ہوئے ملحدوں اور مسیح کے دشمنوں کے آگے زانوئے شاگردی تہ کئے اوراس پر فخر کرتےہیں اور قرآنی ہدایت لاتجاد الواھل الکتاب الابالتی ھی احسن کے یہی معنی سمجھتےہیں کہ دہریوں اور ملحدوں کے اعتراضات کو ترجمہ کرکے مباحثہ کے وقت عیسائیوں کو سنادیں۔آپ کو یادرکھنا چاہیے تھا کہ اسلام کے ایمان مفصل کے یہ الفاظ ہیں امنت با اللہ وملائکۃ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخروالقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعدالموت اور یہ کہ مغربی ممالک کے "محققوں" کے درمیان کوئی ایسا شخص نہیں جس نے خداپر ایمان لاکراس کے فرشتوں پراس کے نبیوں پراس کی کتابوں پر اور بعث ونشر پر ایمان لاکر مسیحیت کی تردید میں یہ کچھ لکھا ہوجو ہم کو آپ نے اپنے رسالہ میں سنارہے ہیں۔ یہ اشخاص فی الحقیقت اسلام اور عیسائیت دونوں کے اصول کی تردید کرتے ہیں۔ ایک مسلمان شخص کو واجب نہ تھا کہ ان اشخاص کے سخن پر آفرین کہے جو سرے سے قیامت کے منکر بعث بعد الموت کے منکر، نبوت اورالہام کے منکر خدا کی کتابوں کے منکر بلکہ جناب مسیح کی تواریخی ہستی کے منکر ہیں۔خواجہ صاحب کے گرویعنی ملاحدہ یورپ جناب مسیح کی تواریخی ہستی کے منکر تھے لہذا انہوں نے ان نظریوں کو وضع کیا تاکہ آپ کی ہستی مفروضہ ہستی ثابت کی جائے۔ پروفیسر گوگل اپنی کتاب کےپہلے باب میں ان تمام ملحدوں مصنفوں کا ذکر کرتا ہے جو کلمۃ اللہ کوایک مفروضہ ہستی ثابت کرتے ہیں۔چنانچہ وہ ڈوپوی(Dupuis) کا ذکر کرکےکہتا ہے "اس کے خیال کے مطابق جس طرح مذہبی علمائے نے مسیح کو خدا سمجھنے میں غلطی کی اسی طرح حکماء نے مسیح کو ایک انسان سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ جس طرح عیسیٰ خدا نہیں تھاویسا ہی وہ انسان بھی نہیں تھا۔ وہ محض سورج تھا اور مسیحیت درحقیقت شماسی قصہ ہے۔ جب ہم یہ ثابت کردیں گے کہ ان کامفروضہ خداجو جاڑوں میں کنواری سے پیدا ہوا تھا اورموسم بہار کے وقت ایسٹر کے ایام میں دوبارہ زندہ ہوا تھا اور جس کے شاگرد بارہ برجوں کی طرح تھے۔تاریکی پرغالب آکر سب چیزوں کو روشن کردیتا ہے محض ایک شماسی قصہ ہے توپھر یہ دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہیگی کہ مسیح کسی آدمی کا نام تھا بھی یا کہ نہیں"۔[4]

پھر ایک اورملحد باینر(Baner) کی نسبت لکھتا ہے کہ" اس کا یہ خیال تھا کہ مسیحیت دوسری صدی مسیحی میں پیدا ہوئی ۔ جب یہودی یونانی اوررومی خیالات مروج ہوگئے تھے ۔ عیسیٰ کوئی تواریخی شخص نہیں تھا بلکہ اس کا نام وضع کرکے اس کی بابت کتابیں لکھی گئیں۔ عیسیٰ مسیحیت کاخالق نہیں تھا

---

[4] Goguel, Jesus the Nazarene- Myth or History; p.15.

بلکہ اس کا مخلوق تھا[5] "۔ پھر ایک اور ملحد ریڈ(Wrede) کا ذکر کرکے کہتا ہے کہ" اس کے خیال میں عیسیٰ مسیحیت کا بانی نہیں بلکہ پولوس رسول تھا جس نے کلیسا میں مسیح موعود کے خیال کو گھسیڑدیا اور نجات کی تعلیم کو جو یہود کے خواب وخیال میں بھی نہ آئی تھی کلیسا میں داخل کردیا[6] "۔ ناظرین نے ملاحظہ کرلیا ہوگا کہ کس خوبی سے طوطے کی طرح خواجہ صاحب نے ان تمام خیالات کو ینابیع المسیحیت میں رٹ کر سنادیا ہے تشابھت قلوبھمہ ۔غالباً رسول عربی نے مرزا صاحب قادیانی اوران کے مقلدین کی ہی نسبت یہ پیشین گوئی کی تھی کہ عن ابی سعید الخذری قل قال رسول اللہ ﷺ لیتبعن سنن الذین من قبلکمہ شیرا بشیرٍ وزرا عابد راع حتی لاذ خلوافی حجر ضب لاتبعوھم (مسلم) یعنی ابو سعید حذری کہتے ہیں کہ فرمایا رسول نے تم لوگ ضرور اپنے پہلو کی پیروی کروگے ۔ وہ جدھر بالشت بھر جائیں گے تم بالشت بھر جاؤ گے ۔ وہ جدھر گز بھر جائیں گے تم گز بھر جاؤ گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں گھسیں گے تم ان کے پیچھے اسی سوراخ میں گھسوگے۔ قرآن کا یہ مقولہ آپ پر صادق آتا ہے اتخذوا احبار ھمہ ورھبا نھمہ ارباباً مزدون اللہ یعنی آپ نے ملاحدہ یورپ اور علما کو خدا کے سوارب بنالیا۔ لیکن آپ کو کبھی یہ خیال نہ آیا کہ یہ علما اور ملاحدہ تو اس لئے ان نظریوں کو وضع کرتے ہیں کیونکہ وہ جناب مسیح کی تواریخی ہستی کے سرے سے

[5] Ibid p.18
[6] Ibid p.21

قائل ہی نہیں۔ کیا ایک مومن مرد مسلمان قرآن اور مسیح کی تواریخی شخصیت اور ہستی پر ایمان لاکر اور خدائے واحد کو مان کر اور رسالت انبیاء پر یقین کرکے یہ سب کچھ مان سکتا ہے ؟ اگر آپ نے ان ملحدانہ خیالات کی تبلیغ کرتی ہی تھی تو لگے ہاتھوں سیدنا مسیح کی شخصیت کا انکار بھی کردیا ہوتا۔

لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی   رُکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی

غرضیکہ اگر حضرت خواجہ صاحب اپنے خیالات کی اوران نظریوں کی تنقید کرتے اوراس وسیع مضمون کا بخوبی مطالعہ کرنے اور تحقیق حق ہی آپ کا نصب العین ہوتا تو آپ اپنی کتاب کو شائع کرنے کی زحمت گوارا نہ فرماتے۔ کیونکہ تب آپ پر یہ امر واضح ہوجاتا کہ اس بیسویں صدی میں آپ کے پیش کردہ خیالات انہی مغربی ممالک میں مردود ومتروک قرار دیے جاچکے ہیں۔ مثلاً مشہور جرمن نقاد آبرٹ آئسلر (Eisler) جو پہلے ان عقائد اور خیالات کا وکیل تھا اب کہتا ہے کہ یہ خیالات " ان غلط ترین نتائج میں سے ہیں جن کا تعلق عہد جدید کے مطالعہ کی تاریخ سے ہے "۔ دورِ حاضرہ[7] میں کوئی شخص ڈاکٹر شویٹزر سے زیادہ اس مبحث پر سند نہیں وہ بھی کہتا ہے کہ " ہر پہلو سے یہ دعویٰ کہ مسیحیت یونانی رومی مشرکانہ مذاہب سے ماخوذ محض ایک خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جو علم مقابلہ مذاہب Comparative Religion میں گھس آیا[8] ہے"۔

[7] Quoted in Essays, Catholic and Critical. P.392 note.
[8] Albert Schweitzer, Christianity and World Religions; p.25.

یہی مصنف پھر کہتا ہے " یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسیحیت مذاہب اسرار سے ماخوذ ہے ۔ لیکن یہ کوشش سعی باطل رہی ہے۔ مسیحیت ان مشرکانہ مذاہب سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے۔ خواہ ہم ان مشرکانہ مذاہب میں کتنا ہی اعلیٰ ترین مفہوم بھر دیں اور بعض اصحاب نے یہ حد سے زیادہ کر بھی دیا ہے پھر بھی مسیحیت کے مقابلہ میں وہ افلاس زدہ مذاہب ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن کو تعصب سے خالی کرکے ان مذاہب کا مطالعہ کرے تو وہ ان مذاہب میں وہ کشش نہ دیکھے گا جو ان میں کہی جاتی ہے۔ ان کا کام یہ تھا کہ جادو ٹوٹکہ کے ذریعے انسانوں کو حیاتِ ابدی عطا کریں ۔ اخلاقی عنصر جو مسیحیت میں غالب ہے ان مذاہب میں موجود نہیں تھا اگرچہ کہیں کہیں اس کا ذکر بھی ملتا ہے۔ صرف متھرا کے مذہب میں اخلاقی عنصر موجود ہے جو اس میں زرتشتی مذہب سے آگیا ہے لیکن کوئی مجذوب بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسیحیت متھرا مذہب سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ باقی دنیا میں اس وقت آیا جب مسیحیت پوری نشوونما پاچکی تھی"۔[9]

ثالثاً ۔ جیسا رسالہ ینابیع المسیحیت کے نام اور عنوان سے ظاہر ہے خواجہ کمال الدین صاحب نے اس کو بدیں غرض لکھا ہے کہ یہ ثابت کریں کہ مسیحیت کی روایات اصطلاحات، رسمیات، جناب مسیح کی پیدائش، صلیب، جی اٹھنا وغیرہ وغیرہ کلُ کی کلُ باتیں قدیمی مذاہب باطلہ کی روایات سے مسلمتاً اخذ کی گئی ہیں"۔ لیکن جب ہم رسالہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی بیس ایک اور مسائل ہیں جن کا ذکر جناب خواجہ صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور جو خارج از بحث ہیں مثلاً مسئلہ الہام، موروثی گناہ، عصمیت انبیاء، طلاق، مفہوم نبوت، معجزات، یورپ کی مادہ پرستی، یورپ کی عیش پرستی، تجرد مسیح، رسول عربی کی نسبت پیشین گوئیاں ۔ کلیسیا کی فرقہ بندی، اسلام کی حقیقت جسم اور روح کا تعلق ، نکاح کے فوائد ،اہل مغرب کی نسلی امتیاز، سائنس کے انکشافات وغیرہ وغیرہ ۔ ناظرین پر ظاہر ہے کہ ان مسائل کا مضمون زیر بحث سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ یہ رسالہ زیادہ تر انہی خارج از بحث امور وسائل سے بھرا پڑا ہے۔ اور رسالہ کا تقریباً چوتھائی یا اس سے کچھ زیادہ حصہ مضمون زیر بحث کے مطابق ہے پس جناب خواجہ صاحب نے اپنے موضوع پر کافی بحث نہیں کی ہے ۔لہذا ہمیں مجبوراً اس کتاب کے باب اول ودوم میں اس موضوع پر بحث کرنی پڑی ہے۔ اور خواجہ صاحب کی کتاب کا وہاں حوالہ دیا ہے جہاں انہوں نے زیادہ تشریح کے ساتھ نفس مضمون پر بحث کی ہے ایک اور صاحب مولوی خلیل الرحمنٰ نے ۱۹۲۷ء کے رسالہ نگار میں کسی جرمن ملحد کا مضمون ترجمہ کرکے شائع کرایا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ " مسیحیت حقیقت میں آفتاب پرستی ہے"۔ لیکن چونکہ مترجم خود کہتا

[9] Ibid.p.22

ہے کہ " اس سلسلہ میں خواجہ کمال الدین صاحب کی کتاب ینابیع المسحیت دیکھنا زیادہ مفید ہوگا" لہذا ہم نے اس مضمون کا بھی کہیں حوالہ نہیں دیا۔

(۶)

اس موضوع پر ہم نے صرف اس واسطے قلم اٹھایا ہے کہ اردو خواں مسلمان اور مسیحی اس مضمون پر صحیح رائے قائم کرسکیں۔ خواجہ صاحب کی کتاب اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ لہذا اس سے بہت سے کمزور اور غیر مستقل طبائع کے اشخاص جو یک طرفہ رائے قائم کرنے کے عادی ہیں متاثر ہوچکے ہوں گے ۔ ہم اس کتاب میں ایسے اصحاب کے سامنے یورپین علما کے جدید ترین نتائج بھی پیش کریں گے ۔ تاکہ وہ بجائے خود حق و باطل کا موازنہ کرسکیں۔

اہلِ اسلام کو قرآنی ہدایت ہے کہ عیسائیوں سے مباحثہ بطریقِ احسن کریں (عنکبوت صفحہ ۴۵)عیسائیوں کو انجیلی ہدایت ہے کہ حق کی تلقین ایسے الفاظ سے کریں جو محبت سے پرُہوں (افسیوں کے نام خط) پس فی زمانہ جب ہندوستان کی فضا کدورت سے پرُ ہے دونوں مذہب کے پیروؤں کو لازم ہے کہ درشت کلامی کو چھوڑ کر نرمی، آشتی اور محبت سے ہم کلام ہوں۔اس کتاب میں ہم نے اس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ کسی قسم کے دل آزار الفاظ مستعمل نہ ہوں بلکہ خواجہ صاحب اوران کے ہم خیالوں کو ہم محبت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرینگے تاکہ وہ اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر منجئی عالمین ربنا عیسیٰ المسیح کے قدموں میں آکر ابدی نجات حاصل کریں۔ و با اللہ التوفیق۔

ہم نے اس کتاب میں جابجا انگریزی کتب کا حوالہ دیا ہے اور ان میں سے اقتباس کئے ہیں۔ ان اقتباسات کے ترجمہ کی نسبت یہ کہنا ضروری معلوم ہوتاہے کہ ہر فقرہ کا لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ صرف اس کے مفہوم کو پیش نظر رکھ کر اس کے اصل خیال کو اردو میں ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے مورخ لیکی کی کتاب " تاریخ اخلاق یورپ" کے حوالے اس کتاب کے اردو ترجمہ مترجمہ مولوی عبدالماجد صاحب سے نقل کئے گئے ہیں۔ پروفیسر فریزر کی کتاب گولڈن باؤ (Golden Bough) کے حوالے اس کی مختصر ایڈیشن (Abridged Edition) سے دیئے ہیں۔ جہاں تک ہوسکا ہم نے متن کو حوالوں سے گرانبار نہیں ہونے دیا اور اقتباسات کے انگریزی حوالوں کو بحوالہ نمبر سلسلہ اور مختلف ابواب کے تحت کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ الگ جمع کردیاہے۔ شائقین سے درخواست ہے کہ وہ انہیں نمبروں کے حوالہ سے ضمیمہ کو ملاحظہ فرمالیں۔

میں یہاں ان احباب کا شکر یہ بھی ادا کرتاہوں جنہوں نے اس کتاب کی تصنیف اور اشاعت میں میری مدد کی ہے۔ خدا ان کو جزائے خیر دے۔

جنوری ۱۹۲۹ء

نارووال ۔پنجاب   برکت اللہ

باب اوّل

اساطیر الاولین

فصل اوّل

اہلِ روما کا مذہب

منجئی عالمین سیدنا عیسیٰ مسیح کی پیدائش سے ایک صدی پہلے سے رومی سلطنت میں تنزل واقع ہوتا چلاآتا تھا۔ سلطنت توزیادہ وسیع ہوگئی تھی۔ لیکن رعایا کی حالت دن بدن ابتر ہوتی جاتی تھی ۔ خانہ جنگی ، کشت وخون اور جنگ وجدل نے لوگوں کا حال تباہ کررکھا تھا۔ اس زمانہ کے مصنفین رومی سوسائٹی کا نہایت خراب نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتے ہیں مذہب کی قدر اور وقعت جاتی رہی تھی اور روم کے بہی خواہ اس سوال پر غور کرتے تھے کہ کس طرح مذہب کو دوبارہ ترقی دیجائے تاکہ روم کی عظمت پیش از پیش ہوجائے۔ قیصر آگسطس نے اس بات کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے کثرت سے مندر بنوائے ۔ مفتوح اقوام کی لوٹ کے مال میں سے زرِ کثیر مذہب کو فروغ دینے پر صرف کیا۔ اس نے " سردار کاہن"Pontifex Maximus کا لقب اختیار کرلیا۔ پروہتوں کی تعداد اوران کا وظیفہ بڑھایا۔ وہ پاکدامن دوشیزگان (Vestal Virgins) کی عزت کرتا تھا ۔ تہواروں اور مقدس دنوں کی رسوم میں حصہ لیتا تھا۔ اس نے قدیم رومی مذہب کی رسوم اور مقدس کھیلوں کو دوبارہ زندہ کیا[10] ۔ وہ توہمات کا دلدادہ تھا چنانچہ رعد سے پناہ میں رہنے کی خاطر سیل مچھلی کا چمڑا پہنے رہتا تھا۔ خوابوں کی تعبیر اور شگون لینے اور سعدو نحس دنوں کی جستجو میں لگا رہتا تھا ۔ عوام الناس میں اس نے مذہبی توہمات کی روح پھونک دی ۔ یہاں تک کہ توہمات کی لہر ہرچہار طرف پھیل گئی ۔ پیدائش سے موت تک رسوم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ پیدائش کے وقت بچہ کے منہ میں متبرک خوراک ڈالی جاتی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے پتھروں پر گرم گرم موم ٹپکائی جاتی تھی اور کالے لاریز (Lares) (خاندانی دیوتا) پر تیل ٹپکایا جاتا تھا۔ قسمت کی دیوی کی مورت ہر گھر میں ہوتی تھی اور مقدس پتھر کے سامنے منتیں مانی جاتی تھیں۔ خاندان کے چھوٹے بڑے اس کو بوسہ دیتے اوراس کے آگے ماتھے ٹیکتے تھے۔ بڑوں کی قربانی دیوتاؤں کے حضور گذرانی جاتی تھی۔ غرضیکہ توہمات کالامتناہی سلسلہ شام سے صبح اور صبح سے شام تک جاری رہتا تھا۔ خاندانی[11] دیوتاؤں کے علاوہ جنگلوں اورچراگاہوں اورہوا کے دیوی دیوتے ، درختوں کے ۔ پانی کے ۔

[10] Warde Flower, Roman Festivals.p344.
[11] Glover, Conflict of Religions in the Roman Empire p.17

کنوؤں کے دیوی دیوتے بھی تھے۔ غرضیکہ تمام قدرتی اشیاء دیوی دیوتاؤں سے
معمور تھیں اوران کے خوف سے لوگوں کی جانیں عذاب میں رہتی تھیں یہ
ہزاروں روحیں آدمی کی قسمت پر حکمران تھیں اوران میں سے کسی کو ناراض کرنا
ہلاکت کا باعث خیال کیا جاتا تھا۔ لہذا اس زمانہ کے لوگ ان دیوی دیوتاؤں سے
ہمیشہ لرزاں اور ترساں رہتے تھے اوران کی غلامی ان کی روحوں کا ستیاناس کررہی
تھی۔ چنانچہ پولوس رسول اسی امر کی طرف اشارہ کرکے اپنے نومریدوں کو
لکھتاہے "۔ لیکن اس وقت خدا سے ناواقف ہوکر تم ان معبودوں کی غلامی میں
تھے جواپنی ذات سے خدا نہیں "(گلتیوں ۴: ۸)اس غلامی نے لوگوں کا دم ناک
میں کررکھا تھا اور مشرک اس سے نجات کے خواہاں تھے۔

ستویقی اور اپکوری فلاسفہ نے بہتیری کوشش کی کہ لوگوں کو توہمات
سے آزاد کریں۔ لیکن ان کی کچھ پیش نہ گئی ۔ چونکہ توہم پرستی سے روم کا کوئی
کونہ خالی نہ تھا۔ لہذا رمل اور نجوم کا کاروبار بہت چلتا تھا۔ رتال پرندوں کے
اڑنے، حیوانوں کی انتڑیوں، رعد، بارش، برق، خواب وغیرہ کےذریعے فال
نکالتے تھے۔ کتاب اعمال الرسل (۹: ۱۸تا ۱۹) ہم دیکھ سکتےہیں کہ سلطنت
روما کے ہر قصبہ اور شہر میں جادو اور ٹوٹکے کا رواج کتنے زبردست پیمانہ پر تھا۔
چنانچہ سسرو کہتا ہے کہ وہم پرستی" تمہارے پیچھےہاتھ دھوکرپڑی ہے ۔
اورجہاں جاتے ہو تمہارا تعاقب کرتی ہے۔ خواہ تم کسی نبی کو سنتے ہو یا شگون
دیکھتے ہو۔ خواہ تم قربانی کرتے ہو یا پرندوں کو اڑتے دیکھتے ہو۔ اگربادل گرجتا
ہو یا بجلی کوندتی ہو یا کسی شے پر بجلی گرتی ہو۔ غرضیکہ جوکچھ بھی دنیا میں واقع
ہوتا ہو تم چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ ہاں نیند میں تم ان باتوں کو بھول سکتے ہو
لیکن نیند میں تمہارے خواب تم کو ستاتےہیں"۔

علاوہ ازیں رومی سلطنت میں روما کی پرستش کی جاتی تھی شہر ایک
دیوی خیال کی جاتی تھی ۔ کیونکہ رومی سلطنت ایک نہایت طاقتور اور زبردست
سلطنت تھی ۔ جس طرح بعض اوقات اسلامی اور مسیحی مبلغین اپنے مذہب کی
حقانیت کے ثبوت میں اپنی سلطنت کی اشاعت اور پائیداری اورطاقت کو
پیش کیا کرتے تھے اسی طرح رومی شہر بھی روم کی پرستش کی حقانیت کے
ثبوت میں اس کی طاقت کو پیش کیا کرتے تھے۔ شہر روم کی پرستش کے علاوہ
قیاصرہ روم کی بھی پرستش کی جاتی تھی۔ کسی آدمی کی پرستش خواہ وہ قیصر ہی
کیوں نہ ہو دور حاضرہ میں نفرت انگیز خیال کی جاتی ہے۔ لیکن متقدمین اس کو
ایک احسن شے خیال کرتے تھے اور رومی اپنے قیاصرہ کے بتوں کے آگے اسی
طرح کے جذبات کی وجہ سے بخور جلایا کرتے تھے جس طرح موجودہ زمانہ میں
جاپانی اپنے مکاڈو یا شہنشاہ جاپان کی عزت کرتے ہیں۔ یا انگریز اپنے بادشاہ کی
سلامتی کا گیت گاتے ہیں۔ پس رومی مذہب دیگر سیاسی شعبوں میں سے ایک
تھا۔

فصل دوم

روم میں مشرقی مذاہب باطلہ کی آمد

(۱)

تمہید

روم میں ابتداء سے مذہب کا صیغہ سیاسی صیغوں میں ہی شمار ہوتا تھا جس کا مقصد ملک کے دیوتاؤں کو خوش کرنا تھا تاکہ روم ہمیشہ زینہ ترقی پر ہی رہے اسی واسطے مذہب کے تمام مراسم سینٹ (مجلس انتظامیہ) کے حکم سے انجام دیئے جاتے تھے۔ اس مجلس نے یہ حکم نافذ کیا تھا کہ کوئی نیا مذہب یا نیا دیوتا روم میں آنے نہ پائے۔ تاکہ رومی دیوتے ناخوش ہو کر روم کو تباہ نہ کر ڈالیں۔ ان کے مذہب کا اصل الاصول یہ تھا کہ ملک کی فلاح کے لئے ملکی معبودوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے نہ کہ غیر ملکی معبودوں کی طرف۔ اور جو لوگ غیر ملکی دیوتاؤں کی بدعت کے پیرو ہوتے تھے وہ خارج از بلد کردئیے جاتے تھے۔ لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ان امتناعی احکام کے باوجود غیر ملکی معبود مصر و یونان اور ایشیائے کوچک وغیرہ کے دیوتا روم میں گھس آئے اور ہر دلعزیز ہوگئے۔ ان مختلف ممالک کے دیوتاؤں نے روم میں آکر ایک دوسرے سے مصالحت اور رواداری پیدا کرلی۔ ایک ملک کے دیوتا کی روایات دوسرے دیوتا پر چسپاں ہونے لگیں جس کا قدرتاً نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف مذاہب کے پیرو ایک دوسرے کے دیوتاؤں کو ماننے میں مطلق تامل نہیں کرتے تھے بلکہ بعض اوقات ایک ہی مندر میں مختلف دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی۔ یہ دیوتا ایک دوسرے سے غیرت نہیں کھاتے تھے کیونکہ جیسا کہ ایک فرانسیسی فاضل کہتا ہے جہاں شرک ہے وہاں جھوٹے معبود نہیں ہوتے۔ جب اہل روما یونان میں گئے تو انہوں نے جوپیٹر کو زیوس کا مترادف قرار دیدیا۔ جب وہ مصر میں پہنچے تو انہوں نے اس کو امون کا مترادف قرار دیدیا۔ جب وہ شام میں گئے تو انہوں نے جوپیٹر کو بعل کا مترادف گردانا۔ اور اگر اہلِ یہود کا خدا یہواہ" غیر خدا" (خروج ۲۰ : ۵) نہ ہوتا تو وہ بھی جوپیٹر کا ہمر کاب قرار دیدیا جاتا۔

خواجہ کمال الدین کا دعویٰ

غالباً اسی حقیقت نے جناب خواجہ کمال الدین صاحب کو دھوکہ دیا ہے کیونکہ وہ اپنی کتاب ینابیع المسیحیت میں فرماتے ہیں (اور یہی ان کے دعوے کا لب لباب بھی ہے)" کہ عیسائی مذہب کو ہر دلعزیز بنانے کے خیال نے قدیمی راہبوں کو اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ قدیمی مذاہب کفر والحاد کی روایات کو جناب مسیح اوران کی والدہ پر جوں کی توں چسپاں کرکے لوگوں کو یہ کہہ دیں کہ جناب مسیح میں ان کے قدیمی خداؤں نے ظہور کیا---۔ قدیمی راہبوں نے جنابِ مسیح کو ایک طرف تومتھرا، بعل، اسٹارٹی، بیکس، ایڈونس، آطیس، اپولو، ہورس، اوسیرس، کوئٹزل کوٹل کا قائم مقام بنایا۔ دوسری طرف

ڈیمیٹر آئی سس ، ہرتھا، نانا، جنو، چلمن، سملی، ڈائنا، فرگا، نیتھ کی قائم مقام جناب مریم ٹھیرائی گئیں"(صفحہ ۵۴، ۵۵)۔

واجب تو یہ تھا کہ جناب خواجہ صاحب ان دیوی دیوتاؤں کے قصص سنادیتے تاکہ ناظرین ان قصص کا انجیلی بیانات کے ساتھ مقابلہ کرکے خود اپنی رائے قائم کرکے فیصلہ کرسکتے کہ ان فرضی دیوتاؤں میں اور کلمۃ اللہ اور مقدسہ مریم میں کوئی مشابہت اور مماثلت ہے یا کہ نہیں چونکہ حضرت خواجہ صاحب نے یہ نہیں کیا مجبوراً ہم اپنے ناظرین کوان مذاہب باطلہ کے دیوتاؤں اور دیویوں کے قصص مختصر طور پر سناتےہیں:

(۲)

مذاہب باطلہ کے معبودوں کے قصص

اوسیرس اور آئی سس کا قصہ

مصری قصص وروایات کے مطابق اوسیرس زمین کے دیوتا سیب اور آسمان کی دیوی نٹ کی حرامکاری کا نتیجہ تھا[12] کیونکہ نٹ درحقیقت سورج دیوتا را کی بیوی تھی۔ اسی حرامکاری کی وجہ سے دیوی آئی سس ، ہورس ، اور سیت بھی پیدا ہوئے ۔ اوسیرس کی شادی اس کی ہمیشرہ آئی سس سے ہوگئی اوران دونوں سے ہورس سورج دیوتا بھی پیدا ہوا۔اوسیرس کو(جس کو سیراپس بھی کہتے ہیں) اس کے بھائی سیت نے دغابازی سے مروا ڈالا اوراس کو ایک صندوق میں بند کرکےاس نے دریائے نیل میں پھینک دیا۔ آئی سس اپنے متوفی بھائی اور خاوند کے لئے غم کرتی پھری تلاش کرتے کرتے اس کو وہ صندوق مل گیا۔ اوراس نے لاش پر ماتم کیا لیکن جب سیت کو اس کی خبر ملی توا س نے لاش پر قبضہ کرکے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مصر کے چودہ مختلف حصص میں پھنکوادیے۔ اس اثناء میں آئی سس کے لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام اس نے ہورس رکھا۔ مدت تک تلاش کرنے کے بعد آئی سس کو اوسیرس کے مختلف اعضا مل گئے ۔ اور تھوتھ کے سحر کے زور سے وہ دوبارہ زندہ ہوگیا۔ہورس نے سیت سے اپنے باپ کا بدلہ لیا۔ لیکن آئی سس کی سفارش کرنے پر اس نے اس کی جان بخشی کردی لیکن وہ اپنی ماں آئی سس کی سفارش کرنے پر اس سے اس قدر بگڑا کہ اس نے اس کا سر تن سے جدا کردیا لیکن تھوتھ نے اس کی جگہ گائے کا سر لگادیا۔ ہورس اور سیت تب مصر کے دیوتاؤں کی عدالت میں حاضر ہوئے اور ہورس تھوتھ کی مدد کی وجہ سے فاتح ہوا اس کو اس کے باپ کا تاج وتخت دیدیا گیا۔ اور مصر کے دونوں حصے اس کے ماتحت ایک ہوگئے[13] ۔

[12] Frazer , Golden Bough p.362 .(Abridges Edition)

[13] Encyclopedia of Religion and Ethics Vol V11 Art Isis.

اوسیرس- زرخیزی اور نسل بڑھانے کا دیوتا بھی تھا اور گندی اور غلیظ رسوم اس کی پرستش کا ایک اہم حصہ تھیں[14]۔ اس کے تہوار کے دن عورتیں جلوس میں نکلتی تھیں اوراس دیوتا کے عضو مخصوص کے نشان کو دھاگوں کے ذریعے حرکت دیتی ہوئی لئے پھرا کرتیں اور تعریف وستائش کے گیت گایا کرتی تھیں۔ اوسیرس کی شان میں جو گیت گائے جاتے تھے ۔ ان میں اس کے پرستار اس ناپاک پہلو پر بالخصوص زور دیتے تھے۔

ہر منصف مزاج شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ ہورس، آئی سس اور اوسیرس کے قصوں اور روح اللہ اور آپ کی مقدسہ ماں کے حالات میں بعدالمشرقین ہے۔

اب ڈیمیٹر اوراس کی دختر پرسی فونی کا قصہ سنئے[15]۔

ڈیمیٹر اور پرسی فونی کا قصہ

ایک دفعہ ایک چراگاہ میں پرسی فونی پھول چن رہی تھی کہ تحت الثریٰ کا دیوتا ہیڈنیز اس اس کو بھگا کر لے گیا۔ ڈیمیٹر کو نہایت رنج ہوا اور کسی طرح سے بھی تسلی پذیر نہیں ہوتی تھی۔ اسی غم وغصہ میں پیچ وتاب کھا کر دیوتاؤں اور آدمیوں کو سزادینے کے لئے اس نے زمین کی پیداوار کے حاصل کرنے میں مدد

[14] Frazaer, Golden Bough,p.381
[15] Encyclopedia of Relgion and Ethics vol IX Art, Mysteries. P.78

نہ کی۔ پس زمین بے پھل ہوگئی ۔ اورانسانی نسل نابود ہوجاتی اگر زیوس دیوتا دخل نہ دیتا۔ اس نے ماں سے وعدہ کیا کہ اس کی بیٹی سال میں آٹھ مہینے زمین پر رہا کرے گی۔ تب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ اوراس کی تسلی ہوئی ۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس قصہ میں اور مریم بتولہ کے واقعات زندگی میں کیا مشابہت ہے۔ اوراس کا جواب صداقت کے متلاشی پر ہی چھوڑ کر ہم ایڈونس کے قصے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ایڈونس کا قصہ

ایڈونس کی پرستش یونانیوں نے بابل اور شام کےشامی نسل کے باشندوں سے اخذ کی تھی[16]۔ بابل میں اس دیوتا کا نام تامز تھا اورسامی اس کو ایڈونس کہنے لگے گئے ۔ تامزدیوتا اشتاردیوی کا عاشق تھا جو دیوتاؤں کی ماں اور قدرت کی اشیاء کو زرخیز کرنے والی اور بڑھانے والی دیوی تھی۔ تامز ہرسال مرتا تھا۔ اوراس کی معشوقہ ہرسال اس کی تلاش میں پھرتی تھی۔ چونکہ وہ زرخیز کرنے والی اور نسلوں کو بڑھانے والی دیوی تھی۔ لہذا ہرسال جب وہ اپنے عاشق کی تلاش میں

[16] Frazer, Golden Bough, 325.

-- نکلتی تھی

انسان اور حیوان دونوں پیدا ہونے بند ہوجاتے تھے اوراس دنیا کی زندگی تمام ہوجاتی اگر ایا دیوتا اشتار کو اس کے عاشق تامز سمیت اسفل السافلین سے زمین پر نہ لے آتا۔

یونانی لباس میں تامز کا قصہ یوں [17] ہے کہ ایڈونس اور ایفروڈائٹی (زہرہ)دیوی ایک دوسرے پر عاشق تھے۔ جب وہ ابھی چھوٹا ہی تھا تو الیفروڈائٹی نے اس کو ایک صندوق میں بند کرکے پرسی فونی کو دیا جو اسفل السافلین کی ملکہ تھی۔لیکن جونہی اس کی نظر ایڈونس پر پڑی وہ اس پر ہزارجان سے عاشق ہوگئی اوراس نے اس کو ایفروڈائٹی کوواپس دینے سے انکار کردیا۔ معاملہ یہاں تک بڑھا کہ یہ بات زیوس دیوتا کے کان تک پہنچ گئی جس نے یہ فیصلہ کیا کہ ایڈونس سال کا ایک حصہ پرسی فونی کے ساتھ رہے۔ اوردوسرا حصہ ایفرڈوائٹی کےساتھ گذارے۔

مغربی ایشیا میں دوجگہ خاص طور پر ایفروڈائٹی کی (جس کو اسٹارٹی بھی کہتے ہیں) پرستش ہوا کرتی تھی [18]۔ ایک کپرس کا پفوس شہر تھا اور دوسرا شہر شام کے ساحل پر سبیلبس تھا جہاں اس کے پرستار ہرسال حج کرنے کے لئے اس طرح جمع ہوتے تھے جیسے اہل اسلام مکہ میں جمع ہوتے ہیں۔ پفوس قدیم دنیا کا مشہور ترین شہر تھا کیونکہ وہ ایڈونس اورایفروڈائٹی کے پرستاروں کا گویا کعبہ تھا۔وہاں بد ترین رسوم عمل میں آئی تھیں کیونکہ یہ دیوی عشق ومحبت اور نسل بڑھانے کی دیوی تھی۔ اس کا نشان ایک مخروطی شکل کا ستون ہوتا تھا۔ یہی نشان سبیلبس کے مندر میں اسٹارٹی کا تھا اور پمفیلہ کے پرگہ میں ارتمس دیوی کا بھی یہی نشان تھا ۔ کپرس میں یہ رسم تھی کہ تمام لڑکیاں شادی سے پہلے اس دیوی کے مندر میں اعینار کے ساتھ ہم کنار ہوتیں۔ اس کی وجہ شہوت پرستی نہیں تھی بلکہ وہ عشق کی دیوی ایفروڈائٹی یا اسٹارٹی یاارتمس کی مذہبی پرستش کا ایک جزولاینفک تھا۔ بابل میں ہرایک عورت خواہ وہ امیر ہو یا غریب اشتار یا اسٹارٹی دیوی کی پرستش کی خاطر اپنی زندگی میں کم ازکم ایک دفعہ کسی غیر مرد کے ساتھ حرامکاری کرتی تھی اوراس کی مزدوری اس دیوی کی نذر کرتی ۔مندر کا احاطہ عورتوں سے بھرارہتا اور بعض عورتوں کو کئی سال اس ناپاک کام کے لئے انتظاری کرنی پڑتی لدیہ(Lydia) کے ایک یونانی کتبہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی ایک عورت ایڈونس دیوتا کے حکم کے مطابق زنا کیا کرتی تھی اور نہ صرف وہ بلکہ اس کی ماں اوراس کی نانی اور پرنانی وغیرہ اس سے پہلے ہی کسب کیا کرتی تھیں اور یہ ایک نہایت احسن شے خیال کی جاتی تھی۔ مسیحی شہنشاہ قسطنطین نے شام کے مندر کو مسمار کردیا۔ اس قبیح رسم کو منسوخ کردیا اور مندر کی جگہ پر اس نے ایک بیت اللہ تعمیر کیا۔

---

[17] Ibid.p.327
[18] Ibid p.329-331.

ناظرین یہ ہے ایڈونس ،ایفروڈائٹی یا اسٹارٹی کا قصہ جس کی نسبت خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ " قدیمی مسیحی راہبوں" نے جناب مسیح اور مریم بتولہ کو" ان کا قائم مقام بنادیا"۔ طرفہ یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی عدم واقفیت اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ فلاں نام دیوی کا ہے یا دیوتا کا ہے چنانچہ آپ اسٹارٹی دیوی کو دیوتا خیال کرکے فرماتے ہیں کہ قدیم راہبوں نے جنابِ مسیح کو -----اسٹارٹی -----کا قائم مقام بنادیا "! ! صفحہ ۵۵۔

بہر حال صاحبِ نظر پر مخفی نہیں کہ انجیلی بیان اور اس خرافات میں بعد المشرقین ہے۔کہاں مسیح کلمۃ اللہ کی ہستی اورکہاں یہ پلید خرافات ۔آبائے کلیسیا کا قول بالکل سچ ہے کہ ایفروڈائٹی جس کومشرکین پوجتے تھے ایک فاحشہ عورت تھی[19]۔

اب ایڈونس کے مذہب کی رسوم کو ملاحظہ فرمائیں ۔ سبلیس کے مندرمیں ہر سال ایڈونس کی موت پر ماتم کیا جاتا تھا اوراس کے پرستار آہ نالہ کرتے اورچھاتی پیٹا کرتے تھے۔ وہ اپنے سر کے بال منڈواتے تھے ۔ لیکن جوعورتیں اپنے خوبصورت بالوں کومنڈوانا نہیں چاہتی تھیں ان پرلازم تھا کہ وہ ایک دن اغیار کے ساتھ ہمبستر ہوں اور ہمبستری کی مزدوری اسٹارٹی کی نذر کی جاتی تھی۔ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دوسرے دن ایڈونس دوبارہ جی اٹھتا ہے اور وہ

[19] Ibid.p.333

اس دن خوشی کرتے تھے۔ اب ہر صاحب ہوش خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ مسیحی رسوم کا ایسی پلید رسوم کے ساتھ کیاواسطہ ہے۔

اطیس کا قصہ

ایڈونس کی طرح اطیس دیوتا بھی ان دیوتاؤں میں سے ہے جس کی موت اورجی اٹھنے کی یادگار اس کے پرستار کیا کرتے تھے۔ اب ناظرین اطیس کا قصہ سنیں[20]۔

ایک دفعہ زیوس دیوتا کہ سوتے وقت احتلام ہوا اوراس کا نطفہ زمین پر گراجس سے اگڈسٹس پیدا ہوا لیکن دیوتاؤں نے اس کے اعصائے تناسل کاٹ دیئے جس میں سے بادام کا درخت اُگ آیااور سنگرپریس دریا کی بیٹی یا نانا اس درخت کے بادام کھا کر حاملہ ہوگئی اوراس سے اطیس پیدا ہوا۔ اطیس کو باہر پھینکدیا گیا لیکن ایک بکرے نے اس کی پرورش کی اور وہ نہایت خوبصورت اوروجیہ جوان ہوگیا۔جب دیوتاؤں کی ماں سبیلی دیوی نے اس پر نظر کی وہ اس پر عاشق ہوگئی۔ یہ دیوی زرخیز کرنے اور نسل بڑھانے والی دیوی تھی لیکن اگڈسٹس بھی اس پر دیوانہ تھا۔ پس جب اطیس کی شادی بادشاہ کی دختر سے ہونے لگی تو اگڈسٹس نے غیرت کھا کرعین نکاح کے وقت اس کو دیوانگی کے مرض میں مبتلا کردیا۔ اس دیوانگی کی حالت میں اطیس نے اپنےآپ کو خسی کردیا

[20] Encyclopedia of Relgion and Ethics Vol.11 Art. Attis.

اور مر گیا۔ تب اگڈسٹس اپنے کئے سے پچھتایا اوراس نے زیوس کی منت سماجت کرکے اس کو اس بات پر راضی کرلیا کہ اطیس کا جسم سڑنے اور بوسیدہ ہونے نہ پائے۔ پس زیوس کے حکم سے اس کے جسم میں بوسیدگی نہ آئی اس کے بال اُگتے گئے اوراس کا آلہ تناسل ہلنے لگا۔

سبیلی (Cybele) دیوی کی پرستش کو اہل روما نے ۲۰۴ قبل مسیح اختیار کیا اور اس کی پرستش کے ساتھ ہی اطیس کی پرستش بھی رائج ہوگئی۔ان کے پروہت مخنث ہوتے تھے اور مشرقی لباس پہن کر شہر روما میں بڑی شان وشوکت سے جلوس نکالا کرتے تھے اور بانسلی ، جھانجھ ، بربط وغیرہ کے ساتھ گیت گا کر نکلتے تھے[21]۔ یہ پروہت اپنے آپ کو چھریوں سے زخمی کیا کرتے تھے اور تماش بینوں پر ان کا بعض اوقات ایسا اثر ہوجاتا تھا کہ وہ جذبہ کے جوش میں آکر تماش بینوں کی صف سے چھلانگ مار کر نکل جاتے اور کپڑے اتار پھینک کر ایک تلوار سے (جو اس غرض کے لئے پاس ہی رکھی رہتی تھی) اپنے آپ کو خسی کرڈالتے تھے اور خونین عضو کو ہاتھ میں لے کر تمام شہر میں بھاگتے پھرتے اور بالاخر اس کو کسی گھر میں پھینک دیتے تھے جس گھر کی یوں عزت افزائی کی جاتی تھی اس کے مالک کو انہیں زنانہ لباس اور زیور دینے پڑتے اوران کو وہ اپنی تمام عمر پہنا کرتے تھے۔

[21] Frazer Golden Bough p.350.

سبیلی دیوی اور اطیس دیوتا کی پرستش روما میں نہایت ہر دلعزیز تھی۔ سبیلی کو مادر عظیم (Great Mother) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اب ناظرین خود ہی انصاف کریں کہ اس ناپاک قصے کو انجیلی بیان سے کیا مناسبت ہے۔ معلوم نہیں کس بناء پر جناب خواجہ صاحب یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ جناب مسیح کو اطیس کا اور مقدسہ مریم کو نانا کا " قائم مقام قرار دیا گیا"۔ وجیہا فی الدنیا والاخرۃ کو اس خرافات سے کیا تعلق اور صدیقہ کی زندگی کا ان پلید باتوں سے کیا واسطہ ؟

ڈایونیسیس کا قصہ

ڈایونیسیس یا بیکس شرابخواری کا دیوتا تھا۔ اس کی پرستش میں لوگ حالت وجد میں آجاتے تھے اور شراب سے متوالے ہوکر ناچتے کو روتے تھے اوران سے دیگر ناشائستہ حرکتیں بھی وقوع میں آتی تھیں وہ علاقہ تھریس کا دیوتا تھا۔جہاں کے باشندے قدیم دنیا مشہور شرابی تھے۔

اس دیوتا کا قصہ[22] یوں ہے کہ ایک دفعہ زیوس دیوتا سانپ کی شکل اختیار کرکے پرسی فونی کے نزدیک گیا اور اس سے زیگریس یا ڈایونیسس ایک سینگ دار بچہ پیدا ہوا۔پیدا ہوتے ہی وہ اپنے باپ زیوس کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اور بجلی کو اپنے ننھے ہاتھوں میں لے کر اچھالنے اور یوں اپنے باپ کی نقل کرنے

[22] Ibid. epp.386-390.

لگا۔ لیکن وہ دیر تک تخت پر نہ بیٹھا کیونکہ ٹائٹن جو غدار تھے اس کے قتل کے درپے ہوگئے اور ایک دفعہ جب وہ اپنا منہ آئینہ میں دیکھ رہا تھا توانہوں نے اس پر حملہ کیا۔ تھوڑی دیر تک وہ مختلف شکلیں بدل کر کبھی گھوڑا۔ کبھی شیر کبھی سانپ بن گیا اور یوں قتل ہونے سے محفوظ رہا۔ لیکن جب اس نے سانڈ کی شکل اختیار کی تو اس کے قاتلوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ ایک روایت کہ مطابق اس کی ماں نے اس کے مختلف اعضا جمع کئے اور ان میں جان عود کرآئی۔ ایک اورروایت کے مطابق زیوس اس کے دل کو نگل گیا اور وہ سملی کے نزدیک گیا اوراس سے پھر ڈایو نیسیس پیدا ہوا۔

ہم ناظرین کو ایک ایک کرکے یہ قصص سناتے جارہے ہیں تاکہ حق کے متلاشی کے سامنے خواجہ صاحب کے دعوؤں کا پول طشت از بام ہوجائے کہ منجئی عالمین کو اور اس کی مقدسہ والدہ کو یونانی اور رومی دیوی دیوتاؤں کا "قائم مقام" بنادیا گیاہے۔

ناظرین آپ خودہی انصاف کریں کہ ان خرافات کو سیدنا مسیح کی زندگی اور مقدسہ مریم کے سوانح حیات سے کیا واسطہ ؟ باقی دیوی دیوتا جن کا نام جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے لیا ہے اوران کے قصے کا بھی علی ہذا القیاس اسی طرح کے ہیں اور ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ ان کو نقل کیا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر شاورمین صاحب[23] فرماتے ہیں کہ" اطیس ایک ایشیائی دیوتا ہے جس

[23] Encyclopedia of Religion and Ethics Vol11 p.217.

کے سبیلی کے ساتھ بعینہ وہی تعلقات ہیں جو ایڈونس کے ایفروڈائٹی کے ساتھ اور اوسیرس کے آئی سس کے ساتھ " وغیرہ وغیرہ ۔ کوئٹزل کوٹل میکسیکو کا دیوتا ہے ۔ لیکن کہاں ممالک کنعان وروم اورکہاں میکسیکو لہذا اس دیوتا کا قصہ لکھنا فضول اور وقت کا ضائع کرنا ہے ۔ رہا دیوتا متھرا، اس دیوتا کی آریہ نسل کے لوگ پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ وہی دیوتا ہے جس کا نام ویدوں میں مترا آیا ہے اور جس کی پرستش اہلِ ہنود کرتے آئے ہیں۔ لہذا ہندوستانی ناظرین اس سے واقف ہیں اور چونکہ ہم اختصار کومد نظر رکھنا چاہتے ہیں لہذا اس کا قصہ ہم یہاں درج نہیں کرتے۔

(۳)

یونانی رومی دنیا کی حالت
اورمذاہب اسرار کی اشاعت

یہ مذاہب باطلہ یا مشرقی مذاہب اسرار (Marcus Aurelius) نہایت سرعت کے ساتھ یونانی رومی دنیا میں پھیل گئے اور مسیحیت کے ساتھ صف آرا ہو کر انہوں نے زبردست شکست کھائی ۔ ہم کہتے ہیں کہ مسیحی تعلیم کی روشنی میں مذاہب باطلہ یا مذاہب اسرار کی تاریکی زائل ہوگئی ۔ لیکن خواجہ صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ " عیسائی مذہب کو ہر دلعزیز بنانے کے خیال نے

قدیمی راہبوں کو اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ قدیمی مذاہب کفر والحاد کی روایات کو جناب مسیح پر جوں کی توں چسپاں " کردیں۔

اس دعویٰ کی تنقید سے پہلے ہم ناظرین کو مختصر طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ یہ مذاہب اسرار کیوں رومی دنیا میں نہایت سرُعت کے ساتھ پھیل گئے ۔ اس غرض کے لئے ہم بحر متوسط کے گردو نواح کی اقوام کی سات صدیوں کے زمانہ کی سیاسی معاشرتی اور مذہبی حالت پر نہایت اختصار کے ساتھ نظر کریں گے۔ یہ زمانہ سکندر اعظم کے وقت (۳۳۴ قبل مسیح)سے مسیحی بادشاہ کانسٹنٹائن کے وقت (۳۲۷ء)تک محدود ہے۔

اس زمانہ کے لوگ ایک ایسے مذہب کی تلاش میں تھے جو ان کو نجات کا پیغام دے سکے۔چنانچہ[24] لیگ کہتا ہے " بنی آدم کی تاریخ میں غالباً کوئی زمانہ ایسا نہیں ملتا جس میں لوگ مذہب کے خیال میں اس زمانہ سے زیادہ غرق ہوں یا اخلاقی نصب العین کے زیادہ دلدادہ ہوں "۔ یونانی رومی دنیا مذہبی توہمات میں حد سے زیادہ پھنسی ہوئی تھی اور جیسا ہم ذکر کرچکے ہیں نجومیوں ساحروں اور تعویذ گنڈہ کرنے والوں کی تجارت سب سے زیادہ چلتی تھی " لوگ غسل کرنے ، حجامت کرانے، کپڑے بدلنے ناخن کٹوانے کے لئے بھی ساعت نیک کی تلاش کرتے تھے "۔ انہی توہمات کے غلبہ سے رہائی پانے کی خاطر اپکوری فلسفہ وجود میں آیا جو روح خدا اور دیوتاؤں کا منکر تھا۔ لیکن یونانی مذاہب اور فلاسفہ اس زمانہ

[24] Frazer, pp.491. 385.

کے لوگوں کی تسلی نہ کرسکے۔ اور یونانی رومی دنیا نجات کے پیغام کے لئے مشرقی مذاہب اسرار کی طرف دیکھنے لگی۔ سکندر اعظم کی فتوحات نے مختلف ممالک کو یک جا کردیا تھا ۔ خاص روم میں لاتعداد مشرقی غلام رہتے تھے جو اپنے مشرقی مذاہب کے دالدہ اور عاشق تھے۔ ان اور دیگر تجارتی اور سیاسی وجوہ کے سبب مشرق ومغرب یکجا اور ایک دوسرے سے خیالات سے متاثر ہوچکے تھے۔ پس یونانی رومی دنیا نجات کے پیغام کے لئے مشرقی مذاہب اسرار اور یہودیت کی طرف دیکھنے لگی۔ ہر مذہب اپنی اشاعت کی سر توڑ کوشش کرتا تھا۔ اور اس کا حقیر ترین پیرو اس کو پھیلانے میں اپنی عزت خیال کرتا تھا۔ شامی تاجر نہ صرف اپنی اشیاء کی خریدوفروخت کرتے تھے بلکہ وہ اپنے مذاہب کے زبردست مبلغین بھی تھے۔ پس متھرا کا مذہب نہایت سرعت کے ساتھ رومی دنیا کے اطراف وجوانب میں پھیل گیا۔ اسی طرح یہودی بھی " ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے تھے "(متی ۲۳: ۱۵) اور یہ تمام مذاہب مسیحیت کے ساتھ صف آرا ہوئے۔

مذاہب کفر یا مذاہب اسرار کی ابتدا

مذاہب اسرار جن کے دیوی دیوتاؤں کے قصص ہم اس باب کے شروع میں بتاچکے ہیں درحقیقت ابتدا میں نیچری مذاہب (Nature Cults) تھے جب ہنوز علم و نقل کی روشنی بنی آدم کے اذہان پر نہ چمکی تھی لوگوں نے فطرت کی تبدیلیوں کا ملاحظہ کیا۔ لیکن چونکہ وہ ان کے علل واسباب

کے علم سے بے بہرہ تھے انہوں نے مفروضہ دیوتاؤں کے قصص گھڑ کر ان فطرتی تبدیلیوں کے وجوہ تیار کئے۔   ع

چوں ندید ند حقیقت رہِ افسانہ زوند

مثلاً ڈیمیٹر کا قصہ پڑھنے سے ہم پر یہ عیاں ہوجاتا ہے کہ ابتدائی یونانیوں نے غلہ کی پیدائش کی تشریح کرنے کے لئے اس قصہ کو وضع کیا تھا۔اسی طرح اطیس کی موت اوراس کے جسم کے نہ سڑنے کا قصہ اس واسطے وضع کیا گیا تھا کہ موسم سرما میں نباتات کی موت اورموسم بہار میں اس کی نشوونما کی تشریح کریں۔ رگ وید سے معلوم ہوتا ہے کہ متھرا سورج کا دیوتا تھا۔پس یہ مذاہب اسرار ابتدا میں ان اقوام کے مذاہب تھے جن کا پیشہ کاشتکاری تھا۔ اسی طرح ایڈونس بھی سبزی کا اور بالخصوص اناج کا دیوتا تھا[25]۔

اسی طرح اطیس بھی نباتات کا دیوتا تھا اسی لئے اس کی موت اور قیامت ہرسال ایام بہار میں منائی جاتی تھی[26]۔

اس کی نسبت سر جمیس فریزر یہ اصول بتاتا[27] ہے کہ " اگر کسی دیوی دیوتا کی نسبت یہ معلوم کرنا ہو کہ ابتداء میں وہ کس شے تھے کےساتھ متعلق تھا تو ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کا تہوار کن ایام میں منایا جاتا ہے مثلاً اگر کسی کا تہوار قمری ماہ کی پہلی تاریخ یا چودھویں تاریخ کو پڑتا ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس دیوی دیوتا کا تعلق چاند کے ساتھ تھا۔ اگر تہوار جاڑوں کے ایام میں یا بہار

[25] Fore-runners and Rivals of Christianity p.xiix.
[26] Frazer, Golden Bough p.341.
[27] Ibid.pp.347,352

دیوی دیوتا کا تعلق چاند کے ساتھ تھا۔ اگر تہوار جاڑوں کے ایام میں یا بہار کے موسم میں ہو تو معلوم کرنا چاہیے یا کہ وہ سورج دیوتا ہے اور یا اس کا تعلق سورج کے ساتھ ہے۔اگر کسی کا تہوار بیج بونے کے وقت یا فصل کاٹنے کے ایام میں ہو تو ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ وہ یا زمین کا یا نباتات اوراناج کا دیوی دیوتا ہے"۔ دیوی دیوتا کے قصص اوران کی متعلقہ رسوم سے بھی یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ ابتدا میں یہ کس شے کے دیوی دیوتا تھے۔ مثلاً اوسیرس کے قصے پر جب ہم نظر کرتے ہیں۔اوراس کی رسوم میں یہ پاتے ہیں کہ اوسیرس کی مردہ لاش سے اناج کی بالیں نکلتی تھیں تو ہم پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اوسیرس ابتدا میں[28] اناج کا دیوتا تھا۔ جو ہر سال مرتا اور پھر زندہ ہوتا تھا اوراس کا یہ تعلق صاف ظاہر ہوجاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا تہوار بیج بونے کے موسم میں پڑتا تھا۔ اسی طرح آئی سس بھی اناج کی دیوی[29] تھی۔ اسی طرح یہ دیوی دیوتے نسل انسانی کی بقا اور دوام کے ساتھ متعلق تھے اورمذکورہ بالا ناپاک غلیظ اور فحش قصے کہانیاں اور رسوم اسی امر کی شاہد ہیں۔

مغربی ایشیا میں ایسی دیویوں کی پرستش پر خاص زوردیا جاتا تھا۔ ایسی دیویوں کے ایک یا زیادہ عاشق ہوتے جن سےدیوتا اورانسان دونوں ہوتے جن کے ساتھ وہ ہر سال ہم کنار ہوتے تا کہ نباتات اورحیوانات اورانسان کی نسل

[28] Ibid.p.368.
[29] Ibid.pp.376,377

باقی رہے۔ اور منقطع نہ ہوجائے۔ ان دیوی دیوتاؤں کے باہم اکٹھے ہونے کی نقل ان کے مندروں میں ان کے پرستار مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے ہم بستر ہو کر کرتیں تاکہ حیوان اور انسان کی نسل دوامی رہے[30]۔

فصل سوم

مشرکانہ مذاہب کے اعتقادات

اول۔ اصول تفسیر

جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا اور اقوام علم وفضل کے زیور سے آراستہ ہونے لگیں توان کے دیوی دیوتاؤں کے قصص کی ناپاکی ان پر عیاں ہونے لگی۔ لہذا ان مذاہب اسرار کے پیروان قصص کو تمثیلی رنگ میں سمجھنے لگے گو بعض اوقات ان قصص کا انکار بھی کیا جاتا تھا جس طرح دورِ حاضرہ میں آریہ سماج، سناتن دھرم کے قصص کا انکار کردیتی ہے۔ "لوگوں کے سامنے دو ممکن طریقے تھے۔ یا توہومر کی کتب تمثیلی پیرایہ میں لکھی گئی ہیں اور یا وہ کفر آمیز کلمات سے معمور ہیں اور چونکہ شق دوام ایک ناممکن بات ہے لہذا وہ تمثیلی پیرایہ میں لکھی گئی ہیں۔اگرہم تین مختلف مصنفین پر نظر کریں تو یہ امر روشن ہوجائے گا ۔آوِڈ(Ovid) ایک بے دین قصہ گو ہے جو ہزاروں قصص کو لطف سے لے کر بیان کرتا ہے۔ مارکس آریلیس اپنی کتاب (Mystery Religion) میں کسی قصہ کہانی کا ذکر تک نہیں کرتا اور سالسٹیس(Sallustius) کہتا ہے کہ نوجوانوں کو بیہودہ روایات اور قصص نہیں سنانے چاہئیں اور چونکہ یہ قصص ان کو ضرور سنائے جائیں گے لہذا ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قصص تمثیلی پیرایہ میں سمجھنے[31] چاہیئں"۔جس طرح دورحاضرہ میں سناتن دھرم کے تعلیم یافتہ پیرواپنے دیوی دیوتاؤں کے قصص کو جو پرُانوں میں مندرج ہیں۔ تمثیلی پیرایہ میں مانتے ہیں اسی طرح ان مذاہب باطلہ کے پیرو ان اباطیل کو فطرت کے مشاہدات کی طرف نہیں بلکہ روحانی تجربات کی طرف منسوب کرنے لگے۔ان قصص کی تفصیلات میں وہ اپنے روحانی تجربات کا عکس دیکھنے لگے۔ مثلاً اطیس کی موت سے گناہ کی زندگی۔ اوراس کے دوبارہ زندہ ہونے سے نیکی کی زندگی مراد لی گئی ۔ اسی طرح اوسیرس کی موت اور دوبارہ زندہ ہونے سے وہ یہ سبق اخذ کرتے تھے کہ جو شخص اوسیرس کی سی تکالیف برداشت کرکے مرتا ہے وہی دوبارہ زندہ ہونے کی تسلی پائیگا اب دیوتاؤں کی زندگی اورموت سے روحانی زندگی اورروحانی موت مردا لی گئی اورابتدائی مطلب کو چھوڑدیا گیا۔ لوگوں نے ان کے قصص کی غلیظ اور ناپاک تفصیلات کو تمثیلی پیرایہ میں لے کر ان سے روحانی اوراخلاقی سبق نکال کر ہر نقطہ کو مخزن اسرار قرار دیدیا۔

[30] Ibid.p.383

[31] Ibid.p.331.

دوم۔ نجات کا اعلان

مذاہب اسرار نجات دینے کے مدعی ہوگئے ان کے معلم یہ سکھاتے تھے کہ ان کے مذاہب کے وسیلہ خدا اور انسان میں دوئی نہیں رہتی۔ اوران کے وسیلے گناہوں کی معافی ملتی ہے۔ ہر مذہب اسرار اپنے پرستاروں کو پاکیزگی کے طریقے اور خدا تک پہنچنے کے منتر بتاتا اور شیطان اور گناہ پر فتح کا یقین دلاتا تھا۔ یونانی ، رومی دنیا کی زندگی قسمت کے خیال بھوت پریت کے خوف ستاروں کے اثر، جادو کے ڈر اورموت کی ہیبت کےسبب دوبھر ہوگئی تھی۔ پلنی (Pliny)ہم کو بتاتاہے کہ کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو جادو ٹوٹکے کے خوف سے کانپتا نہ تھا۔ ایسے لوگوں کو مذاہب اسرار کے پیروکہتے تھے کہ ہم تم کو ایک ایسا منتر بتاسکتے ہیں جو تم کو ان باتوں کے خوف سے نجات دے سکتا ہے ہمارے مذاہب اسرار کے عابد اپنے معبودوں کے ساتھ یگانگت حاصل کرکے قسمت کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ہمارے مذاہب کے زبردست معبود بھوت پریت سے زیادہ قادر ہیں اورچونکہ ہمارے معبود آسمانی ہیں لہذا وہ اپنے عابد کو ستاروں کے اثر سے محفوظ رکھ سکتے اورموت کے بعد اس کو آسمانی مقاموں میں پہنچاسکتے ہیں پس یہ مذاہب اسرار اپنے پرستاروں کوزندگی اور موت میں نجات کا پیغام دیتے تھے۔

سوم۔ عرفان

مسیح سے دو صدیاں پہلے سے چوتھی صدی مسیحی تک لوگوں میں خدا کا عرفان( ) حاصل کرنے کی خواہش بڑی زبردست تھی جوں جوں یہ خواہش مشرق ومغرب میں بڑھتی گئی توں توں مذاہب اسرار خدا اور انسان کا تعارف کرانے کے دعوے پر زور دیتے گئے۔ لیکن ان مذاہب کے بھی مدارج تھے بعض نہایت ادنی درجہ پر تھے اور صرف تمثیلی اصول تفصیل پر قناعت کرکے بہت کم تعلیم دیتے تھے۔ لیکن بعض مذاہب ایسے بھی تھے جن کی نمازیں بہت لمبی چوڑی اوران کے عقائد زیادہ گہرے ہوتے تھے ۔ لیکن ہر مذہب اسرار اپنے عابدوں کو اسم اعظم کی طرح ایک " بھید" بتلاتا تھا جس کے جاننے سے معبود کا عرفان حاصل ہوسکتا تھا اور جس کے وسیلے وہ معبود کے ساتھ یگانگت حاصل کرسکتے تھے۔

چہارم۔ ڈراما کی نقل

مذاہب اسرار کے پروہت اپنے دیوتاؤں کے سوانح حیات کا اپنے خا ص عارفوں یا حلقہ کے سامنے دوران عبادت میں ڈراما کیا کرتے تھے ایسے اوقات میں متبدی اور دیگر عام پرستار اس ڈراما کو دیکھنے کا مجاز نہ رکھتے تھے۔ ان نقلوں کے ذریعہ اہل حلقہ کو صوفیانہ طریقوں سے روحانی نکات کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ مذاہب اسرار کے مختلف مدارج تھے لہذا ان کے ڈرامے

اور روحانی تجربات کی بلندیاں بھی مختلف درجوں کی تھیں۔ مثلاً بیکس کے پرستار شراب سے متوالے ہو کر رسوم کو ادا کیا کرتے تھے۔ سیبل کی رسوم میں خون کیا جاتا تھا۔ آمی سس کے مذہب کی رسوم بڑی شان وشوکت سے ادا کی جاتی تھیں جس سے اس کے پرستاروں کے دلوں پر اس کی عظمت کا سکہ بیٹھ جاتا تھا۔ متھرا کے عارف رسوم کے سامنے خاموش مراقبے میں مشغول رہتے تھے۔ لیکن بالعموم ان مذاہب کا یہ مقصد تھا کہ حواس خمسہ اور قوت متخیلہ کے ذریعے روحانی جذبات کو مشتعل کیا جائے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے عارفوں یا خاص اہلِ حلقہ کے سامنے اپنے معبودوں کی مصائب " تکالیف، فتح اور خوشی کے سوانح کی نقل لیا کرتے تھے جیسا ہمارے ملک میں اہلِ ہنود رام لیلا اوراہل تشیع محرم کے دنوں میں امام حسینؓ کی یاد کرتے ہیں۔ مثلاً اطیس کے قصہ کی نقل کی جاتی تھی اور جس درخت کے اس نے اپنے آپ کو خسی کیا تھا وہ کاٹا اورلاش کی طرح مندمیں لے جایا جاتا تھا۔ پھر اہل حلقہ فاقہ کرتے اور اطیس پر ماتم کرتے تھے۔ پھر جب لاش کو دبانے کا وقت آتا تو اہل حلقہ بیخود ہو کر چھریوں سے اپنے آپ کو زخمی کرتے تھے تاکہ اپنے معبود کی مصائب میں شریک ہو کر اس کی خوشی میں بھی شریک ہوسکیں۔ اگلے دن اطیس کی قیامت پر رات کی تاریکی میں ایک مشعل لائی جاتی اور پروہت خالی قبر پر کھڑا ہو کر اہل حلقہ کے لبوں پر مقدس تیل لگاتا اور ان کو یہ کہکر تسلی دیتا " اے تم جو اس معبود کے عارف ہو جو نجات پاچکا ہے خوشی کرو کیونکہ تم کو بھی تمہاری تکالیف میں نجات ملے گی "۔ اس کے بعد ایک ناشائستہ جشن منایا جاتا۔ اور عارفین ایک پھٹے ڈھول میں سے کھا کر اور جھانجوں میں سے پی کر کہتے کہ وہ اطیس کے شریک ہوگئے ہیں۔

پنجم۔ حیات بعد ازممات کی تعلیم

مذاہب اسرار حیات بعد از ممات کی تلقین کرتے تھے۔ موت کی ہیبت کو وہ ایک غیر فانی زندگی کے عقیدہ سے مغلوب کرتے تھے ۔ ایسے مذاہب کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ اور آئندہ زندگی کی زنجیروں کو اخلاقی کڑیوں کے ساتھ یکجا کریں لہذا مذاہب اسرار نیک اعمال پر زور دیتے تھے۔ ان کے عارفین الحاد کے مخالف تھے کیونکہ ملحد حیات بعد از ممات کے قایل نہیں تھے۔ وہ فنا کے عقیدے کے بھی دشمن تھے کیونکہ اس کے مطابق قبر کے بعد نہ رنج ہوگا نہ خوشی ہوگی۔ پس یہ مذاہب اسرار ایک مایوس دنیا کو امید کا پیغام دیتے تھے اور دیوتاؤں کے قصص کی اس طرح تشریح کرتے تھے کہ ان سے حیات بعد ازممات کا سبق اخذ کرسکیں۔ مثلاً اوسیرس کی موت اور اس کے دوبارہ زندہ ہونے سے وہ یہ تعلیم دیتے تھے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں کردیتی بلکہ ہم مر کر پھر زندہ ہوں گے۔

ششم۔ شخصیت کا عنصر

یونان اور روم کے مذاہب سیاسی مذاہب تھے جو شخص روم و یونان میں پیدا ہوتا وہ اپنی پیدائش کی وجہ سے ان مذاہب کا پیرو ہوتا تھا۔ لیکن سکندر اعظم کی فتوحات نے رومی یونانی دنیا میں شخصیت کا عنصر پھونک دیا اور لوگ اب ایسے مذہب کی تلاش میں تھے جوان کی شخصی اور ذاتی امنگوں اور امیدوں کو پورا کرسکے۔ پس مذاہب اسرار اس امر پر زور دیتے تھے کہ مذہب کا تعلق ہر شخص کی ذات سے وابستہ ہے اور محض پیدائش یا رتبہ کی وجہ سے کوئی شخص کسی مذہبی جماعت میں شریک نہیں ان مذاہب نے مذہب کے تصور کو سیاسیات سے جدا کرکے ان میں عالمگیریت کی استعداد پیدا کردی جس کو ماننا سیاسی فرض نہ رہا بلکہ ذاتی فرض ہوگیا۔ جب ان مذاہب کی سیاسی مذاہب کے ساتھ کشمکش ہوئی اور گورنمنٹ نے ان کے پیروؤں پر تشدد کرنا شروع کیا تو ان مذاہب کے پیروؤں نے جان دینی قبول کی لیکن ان مذاہب کو ترک نہ کیا جن کے ساتھ ان کی شخصی امیدیں وابستہ تھیں۔

ہفتم۔ نظام عالم کا نظریہ

مذاہب اسرار یہ تعلیم دیتے تھے کہ عالم کی تمام اشیا ایک ہی نظام میں منظم ہیں اور ایک ہی رشتہ میں منسلک ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ عارفین اس معبود کے ساتھ یگانگت حاصل کرتے ہیں جو تمام نظام عالم کا معبود ہے اور کہ مذاہب اسرار عارفین کو تمام قدرت کا علم پیدائش سے لے کر موت تک اور موت کے بعد کا عرفان بھی عطا کرتے ہیں یہ مذاہب اپنی رسوم کے ذریعہ اپنے عارفین کو قوانین قدرت کے فولادی پنجہ سے نجات دینے کے مدعی تھے ۔ انہوں نے شرک کے ساتھ یوں صلح کی کہ مشرکوں کے دیوتاؤں کو اور اپنے مذہب کے دیوتا کو برابر قرار دیدیا جس طرح فی زمانہ ہمارے بعض ہم وطن کہتے ہیں کہ خدا ایک ہی ہے کوئی اس کو اللہ کہتا ہے کوئی اس کو رام اور کوئی اس کو واہگورو کہتا ہے۔

فصل چہارم

مذاہب باطلہ کی رسمیات

خواجہ کمال الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ینابیع المسیحیت میں یہ " دکھلایا گیاہے کہ مسیحیت کی روایات ، اصطلاحات ، رسمیات، قدیمی مذاہب باطلہ کی روایات سے مسلمتاً اخذ کی گئی ہیں "۔ ہم ان مذاہب کی روایات اپنے ناظرین کو سنا چکے ہیں۔ وہ خود ہی اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ان روایات اور مسیحیت کی تعلیمات میں کس قدر فرق ہے۔ اصطلاحات کا ذکر ہم آئندہ ابواب میں کریں گے۔ اب ہم ان ملل ونحل کی رسمیات ناظرین پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ خود فیصلہ کرسکیں کہ خواجہ کمال الدین صاحب کا دعویٰ واقعات پر مبنی ہے یا کہ نہیں۔

تین منازل

جیسا ہم ذکر کرچکےہیں مذاہب اسرار شخصی مذاہب تھے وہ سیاسی مذاہب نہ تھے۔ لہذا اس میں شریک ہونا یا نہ ہونا ہر شخص کی اپنی مرضی پر منحصر تھا۔ لیکن جو اشخاص ان میں شریک ہونا چاہتے تھے ان کو تین منازل طے کرنی پڑتی تھیں(۱) مبتدیوں کی منزل(۲) اہلِ حلقہ کی منزل اور (۳) آخری منزل۔

(۱)

ابتدائی منزل

اولاً۔ ابتدائی منزل۔ سیاسی مذاہب میں ہر شخص محض اپنی پیدائش کی وجہ سے مذہب کے حقوق میں شامل ہوسکتا تھا۔ لیکن مذاہب اسرار میں ہر مبتدی پر لازم تھا کہ شریک ہونے سے پہلے پہلی منزل میں اپنی جسمانی اوررسمی ناپاکی کو دور کرنے۔ یہ محض ایک بیرونی رسم ہوتی تھی لیکن دیندار اشخاص اس بیرونی رسم کو بھی روحانی فضل کاوسیلہ خیال کرلیتے تھے۔

رازداری کی حلف

ہر مبتدی اس بات کی حلف اٹھاتا تھا کہ " وہ کسی غیر شخص کو کوئی بات نہ بتائیگا جو بند کوٹھڑی میں عمل میں آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بحیرہ متوسط کے گردو نواح کے ممالک کے باشندے مذہبی رسوم کو اعجازی شے خیال کیا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان رسوم سے دیوتاؤں کو مقید کرکے ان سے جو چاہیں کرواسکتے ہیں۔ لہذا ان اسرار کو غیروں پر ظاہر کرنا نہایت سنگین جرم خیال کیا جاتا تھا ۔ یہی سبب ہے کہ مورخین کو مذاہب اسرار کے قدس الاقدس کے رازوں کی واقفیت نہیں کیونکہ کوئی شخص حلف دروغی کا ارتکاب نہیں کرسکتا تھا۔ ان مذاہب کی عام تعلیمات کا اظہار جرم نہیں تھا۔ لیکن خاص معانی

اور تفصیلات کا انکشاف جرم تھا جس کی تلافی صرف موت سے ہی ہوسکتی تھی۔ اس رازداری کی وجہ سے اور نیز ان کی کتابوں کے تلف ہوجانے کی وجہ سے ہم مندروں کی اندرونی رسوم کو تفصیلات ، ڈراما کی نقل کی تفصیلات ان مذاہب کی روایات کے پہنانی مطالب۔ ان کے سّر کا کے نشان (Symbolum) کی حقیقت ، روشن ضمیری کے منتر کے الفاظ ممنوع اشیا کی وجوہ وغیرہ وغیرہ سے بالکل ناواقف ہیں۔

حلف اٹھاتے وقت مبتدی کے جذبات برانگیختہ کئے جاتے تھے ۔ اور حلف کے بعد اس کو ایسے خوفناک کلمات سنائے جاتے اور ایسے ہیبتناک مناظر دکھائے جاتے تھے جن سے اس کی روح کانپ اٹھتی تھی۔ چنانچہ نیرو[32] شہنشاہ جیسا سنگدل ایسے وقت لرز گیا تھا۔

گناہوں کا اقرار

حلف اٹھانے کے بعد مبتدی گناہوں کا اقرار کرتا، پروہت دیوتا کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے گناہوں کا اقرار سنتا تھا۔

[32] Porf.Gilbert, Murray ,Pagen Religions at the Coming of Christianity .p.628

غسل واصطباغ

بعض مذاہب اسرار اپنے مبتدیوں کو غسل دیتے تھے۔ ٹرٹولین ہمیں بتاتا ہے کہ " بعض مذاہب اسرار میں مثلاً آئی سس اور متھرا کے مذاہب میں لوگوں کو بذریعہ اصطباغ (Per Lavacrum) شریک کرتے ہیں۔۔۔۔اور سّر کا یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کا نتیجہ نئی پیدائش ہے اور گناہوں کی سزا کی معافی ملتی ہے"۔ ابتدا میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ مجرد طہارت اور غسل سے خود بخود پاکیزگی آجاتی ہے۔ لیکن جوں جوں سحر اور جادو کا خیال کم ہوتا گیا اور مذہبی احساس بڑھتا گیا طہارت کو اندرونی پاکیزگی کا محض ایک نشان قرار دیا گیا۔اس بیرونی طہارت پر مذاہب اسرار بڑا زور دیتے تھے مندروں میں اس رسم اصطباغ کو پورا کرنے کے لئے باقاعدہ حوض بنائے جاتے تھے جن میں " اترتے وقت وہ مرتے اور نکلتے وقت زندہ ہوتے تھے"۔ بہترین مذاہب اصرار میں تین اقسام کا اصطباغ ہوتا یعنی پانی، آگ اور روح کا۔

قربانی

مذاہب اسرار میں قربانیاں بھی کی جاتی تھیں۔ اگرچہ خون کی قربانیوں کے خلاف فلاسفہ اپنی صدائے احتجاج بلند کرتے تھے تاہم عوام الناس کےدلوں سے قربانی کی تاثیر کا خیال محو نہیں ہوا تھا۔ایلیوسینی مذہب کے پیرو سمندر میں غسل کرکے خنزیر کی قربانی کرتے تھے۔ علی ہذا القیاس بروں،

بینڈھوں، کتوں ، پرندوں وغیرہ کی قربانیاں عمل میں آتی تھیں۔ مختلف مذاہب میں مختلف اقسام کی قربانیاں جائز تھیں اور قربانیوں کی تعداد بھی مختلف تھی۔ علاوہ ان معمولی اور روزمرہ کی قربانیوں کے ہر شخص کو مذہب میں شریک ہوتے وقت قربانی چڑھانا لازم تھا۔ اور مندروں میں باقاعدہ قربان گاہیں بنی ہوتی تھیں۔

ریاضت

مذاہب اسرار تپسیا ریاضت اور زُہد پر بڑا زور دیتے تھے۔ روزہ رکھنا، فاقہ کشی کرنا، اپنے آپ کو جسمانی ایذا پہنچانا، کوڑے مارنا، جاترا کرنا وغیرہ ان مذاہب کا خاصہ تھا۔ آمی سس کے پرستار جاڑوں میں دریا کی برف کو توڑ کر اس میں نہاتے تھے ۔ اور ہر صبح تین دفعہ دریائے ٹائبر میں غوطہ لگاتے اور بعد ازاں خون آلودہ گھٹنوں پر زانوبل ننگے اور سردی کے مارے کانپتے ہوئے کیمپس ماریٹس کو جایا کرتے تھے ۔ مذاہب اسرار روزوں پر خاص طور پر اس لئے زور دیتے تھے کہ متبرک خوراک کھانے سے پہلے کوئی نجس شے جسم میں داخل نہ ہوجائے اور پرستار فاقہ کشی کرکے جسم میں لاغر ہوکر حالت وجد میں آسانی سے آسکے۔

بعض مذاہب میں یہ جسمانی ریاضت انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی تھی ۔ اطیس کے پرستار مستانہ وار ناچتے اور اپنے آپ کو چھریوں سے گھائل کرڈالتے اور ایک دوسرے کو زخمی کردیتے تھے اور اپنے دیوتا کی طرح اپنے آپ کو خسی کردیتے تھے۔ اسی طرح بیلونا، آئی سس اور سیبیلی کی رسوم خون آلودہ ہوتی تھیں بیلیونا کے پرستار اپنے بدنوں کو گھائل کرکے اپنا خون نکال کر اس کا چڑھاوا چڑھاتے تھے۔ پوجاریوں کی زخمی ران سے خون نکالا جاتا۔ اور وہی خون مبتدی کو پلا کر اس کو مذہب میں شریک کیا جاتا تھا۔

(۲)

اہلِ حلقہ کی منزل

داخلہ کی رسوم

ثانیاً۔ زمانہ آزمائش وامتحان کے بعد مبتدی کو مذاہب اسرار اپنی جماعت میں داخل کرکے اپنے معبود کی رفاقت میں شریک کرتے تھے رازداری کی وجہ سے ہم داخلہ کی رسوم کی تفصیلات سے ناواقف ہیں اور اگر جانتے بھی ہیں تو سمجھ نہیں سکتے ۔ مثلاً اقرار کے الفاظ" میں برہ تھا اور دودھ میں گرپڑا"۔ یا آمی سس کے داخلہ کی مختلف منازل جوایپی لیوس ہمیں بتاتا ہے کہ " سنو اور حق با ت کا یقین کرو۔ میں موت کی حدود تک گیا اور میں نے پروسپونیا کی دہلیز (تحت الشرےٰ) پر قدم رکھا۔ میں تمام عناصر میں سے گذر گیا اور واپس آیا۔ آدھی رات کے وقت میں نے آفتاب عالم تاب کو دیکھا میں پاتال کے دیوتاؤں اور آسمانی دیوتاؤں کے حضور جاکر جھکا اور وہاں میں نے سجدہ کیا۔ دیکھو

میں نے تم کو سب کچھ بتادیا ہے۔ لیکن اگرچہ تم نے سن لیا ہے تاہم کچھ سمجھ نہیں سکوگے"۔

داخلہ کی رسوم میں تین باتیں شامل تھیں کچھ چیزیں دکھائی جاتی تھیں۔ چند باتوں کا ڈراما کیا جاتا تھا اور چند امور کی بابت تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن موخرالذکر کی نسبت دیوتا کے دکھ بھوگنے کے نشانات دکھانے پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔لیکن ان نشانات کی نسبت ہم یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ غالباً ان کا کوئی مکمل مخفی عقائد کا سلسلہ نہیں ہوتا تھا۔ پس تعلیم رسوم پورا کرنے کی ہدایت ، چند دعاؤں اور مخفی منتروں مذہب کی اصولی روایات اور نومرید کا دیوتا کے دکھوں میں شریک ہونے کے وعدہ پر ہی محدود تھی۔ زیادہ زور جذبات کے بھڑکانے پر دیا جاتا تھا تاکہ حواس خمسہ کے ذریعہ مبتدی وجد میں آکر تخیل کے ذریعہ معبود کے ساتھ رفاقت کا تجربہ حاصل کرسکے۔

سانڈ کے خون میں غسل

مذاہب اسرار میں سے بعض مذاہب کی سب سے متبرک رسم سانڈ کے خون میں غسل کرنے کی رسم تھی۔ایک خندق کھود کر اس پر تختے لگائے جاتے تھے جن میں بڑے بڑے سوراخ ہوتے تھے۔ ان تختوں پر سانڈ ذبح کیا جاتا تھا اور اس کا خون سوراخوں میں سے اہل حلقہ پر جو خندق میں بیٹھا کرتے تھے گرتا تھا۔اہلِ حلقہ کے ننگے سر اور کپڑے خون سے بھر جاتے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنی گردنیں اوپر اٹھاتے تھے تاکہ خون ان کے لبوں ، کانوں ،آنکھوں اور نتھنوں میں ٹپکے۔ وہ اپنی زبانوں سے خون کو چاٹتے تھے اور اس کو فضل کا وسیلہ خیال کرتے تھے ۔ اور کہتے تھے کہ ان کے گناہ اس خونی غسل سے صاف ہوگئے ہیں اور وہ " ابد الآآباد کے لئے پھر پیدا ہوگئے ہیں۔ یہ خون گذشتہ گناہوں کو پاک کرکے حیات ابدی ان کو عطا کرتا تھا۔

نئی پیدائش

چونکہ مذاہب اسرار نجات کا پیغام دیتے تھے۔ لہذا اہلِ حلقہ کے عارفین اس بات کے قائل تھے کہ سانڈ کے خون میں شریک ہونے کے بعد وہ نئی مخلوق (ہندی دوج) ہوجاتے ہیں اور موت سے گذر کر زندگی میں داخل ہوجاتے ہیں اس تمثیل کو قائم رکھنے کے لئے یہ رسم آدھی رات کو عمل میں آتی تھی اور غسل کے بعد چھوٹے بچہ کی طرح ایسے نوزاد شخص کو صرف دودھ ہی دیا جاتا تھا[33] ان کا مقولہ تھا کہ " نئی پیدائش کے بغیر نجات نہیں مل سکتی"۔ سانڈ کے غسل کے بعد اہلِ حلقہ کا خندق سے نکلنا گویا موت سے نکل کر نئی پیدائش حاصل کرنا تھا۔ یہ لوگ اس رسم کے دن کو اپنا روحانی جنم دن قرار دیتے تھے۔ یہ رسم اطیس کے مذہب میں بھی تھی اور اطیس کے اہل حلقہ اپنے دیوتا کے دوبارہ زندہ ہونے میں شریک ہوتے تھے ۔ مثلاً ڈیمیس کہتا ہے " میں نے خواب دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ میں اطیس ہو گیا ہوں اور دیوتاؤں کی ماں مجھے ہلیریا کے

[33] Frazer Golden Bough pp.351.352.

تہوار میں داخل کرتی ہے ۔ اوراس کا یہ مطلب تھا کہ ہم موت سے نجات پاگئے ہیں "۔

رفاقت الہیٰ

مذاہب اسرار اہلِ حلقہ کو اپنے معبود کےساتھ یگانگت اور یکتائی حاصل کرنیکے مدعی تھے۔ ان مذاہب میں یہ بڑی خوبی تھی کہ یہ خدا اورانسان کی باہمی رفاقت پر بہت زور دیتے تھے[34] لیکن ان میں خدا کی رفاقت کا تصور نہایت ادنیٰ درجہ کا تھا اورجادو اور سحر کی سطح سے بالا تر نہ تھا۔

رفاقتِ الہیٰ کے طریقے

یہ رفاقت مختلف طریقوں سے ملتی تھی (۱) بعض اوقات اہل حلقہ فاقہ کشی سے یاشب بیداری سے یا ناچ اور مثی اشیاء کے استعمال سے یا مقدس اشیاء پر دھیان سے یا قوت متخیلہ کے اثر سے حالت وجد میں لائے جانے اور جذبات برانگیختہ ہونے کی وجہ سے معبود کے ساتھ رفاقت رکھنے کا تجربہ حاصل کرتے تھے۔

(۲۔)ایک طریقہ یہ تھا کہ اہلِ حلقہ یہ خیال کرلیتے تھے کہ وہ معبود کے ساتھ یگانگت حاصل کرکے خود معبود ہوگئے ہیں

من توشدم تومن شدی من تن شدم توجاشدی

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تودیگری

مثلاً ایک دعا کہ یہ الفاظ ہیں "اے ہر منیر میں تجھے جانتاہوں اور تومجھے جانتاہے میں توہوں اور تومیں ہے"۔

(۳۔) خدا کے ساتھ رفاقت کا ایک اور طریقہ یہ تھا کہ اہل حلقہ یہ خیال کرلیتے تھے کہ ان کی شادی ان کے معبود کے ساتھ ہو گئی ہے۔ابتدامیں عورات دیوتا کے لنگ کےساتھ یا دیوتاؤں کے پجاریوں کے ساتھ ہمبستر ہو کر یہ تصور باندھتے تھے ۔ پر زمانہ کی روش نے ان گندے طریقوں سے لوگوں کو نجات دی لیکن مذاہب اسرار ان گندے خیالات سے پاک نہ ہوئے اوراہلِ حلقہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ دیوتاؤں کے ساتھ مقاربت کرنے سے الہیٰ تخم انسان میں بویا جاتاہے اور نئی پیدائش حاصل ہوتی ہے۔

(۴۔) الہیٰ رفاقت کا ایک اور طریقہ یہ تھا کہ اہل حلقہ اپنے دیوتاؤں کے دکھوں میں شریک ہوکر اس کی فتح میں شریک ہوتے تھے ان کے دیوتاجذبات سے خالی نہ تھے بلکہ خوشی اور غم سکھ اور مصیبت ، زندگی اورموت کے ماتحت ہو کر دوبارہ زندہ ہوجاتے تھے لہذامذاہب اسرار یہ تعلیم دیتے تھے کہ جو شخص معبود کی موت میں شریک ہوگا وہ اس کے فتح مندجی اٹھنے میں بھی اس کا ساتھی ہوگا۔ مثلاً اطیس کے عارفین اپنے دیوتا کے بت کو چارپائی پر لٹا کر ماتم کرنے اوران کے پروہت ان کے حلق کو تیل لگا کرکہتے" اے نجات یافتہ معبود کے پرستار وخوش ہو کیونکہ تم بھی اپنے غموں سے نجات پاؤ گے"۔آئی سس کے

[34] Gardner, Religious Experience of St. Paul.p.100.

مذہب میں یہ خصوصیت بڑی نمایاں تھی۔ اس کے رفیق زمانہ ماتم کے گذرنے
پر خوشی مناتے اور ایک دوسرے کو کہتے" ہم نے پالیا ہے۔ ہم باہم خوشی
منائیں"۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ان پرستاروں میں سے بہت کم ان کی
مخفی اور روحانی مطالب کو سمجھ کر حقیقی روحانی عرفان اور تجربہ حاصل کرتے تھے
۔عوام الناس ان امور کا صرف غیر معین طور پر ایک غیر محدود احساس ہی رکھتے
تھے۔

(۵۔)عبادت عمیم اور پوجا الہیٰ رفاقت کو قائم رکھنے کا وسیلہ ہوتی تھی
ان کے خاص دن بھی ہوتے تھے ۔ روزوں اور تہواروں کے دن بھی مقرر تھے۔
مثلاً اطیس کے پرستار ۲۴ مارچ کو روزہ رکھتے اور ماتم کرتے رات کو متبرک کھانا
کھاتے اور اپنے آپ کو زخمی اور گھائل کردیتے تھے۔ ۲۵ مارچ کو اطیس کا دوبارہ
زندہ ہونا منایا جاتا تھا۔ متھرا کے پروہت روزانہ پوجا اور نماز کراتے تھے۔ لیکن
ان کا سب سے بڑا تہوار ۲۵ دسمبر تھا۔ ہفتہ کا پہلا دن آفتاب کے لئے خاص
مخصوص تھا اور سولھواں دن متھرا کے لئے مخصوص تھا۔ اسی طرح اوسیرس کے
دکھ اور زندہ ہونے کی روایت ۲۸ اکتوبر سے یکم نومبر تک منائی جاتی تھی
اور اس سے پہلے دس دن روزہ رکھا جاتا تھا اور ان دنوں میں آئی سس کی تلاش کی
حکایت بطور ڈراما نقل کی جاتی تھی۔ زمانہ ماتم کے گذرنے پر وہ خوشی سے ایک
دوسرے کو کہتے" ہم نے پالیا ہے۔ ہم اکٹھے خوشی کریں"۔

فیلکس مذاقیہ طور پر لکھتا ہے کہ " یوں یہ اشخاص ہر سال یہی کرتے
ہیں اور ہر سال کھوئے ہوئے پاتے ہیں اور پائے ہوئے کو کھوتے ہیں"۔ آئی
سس کی روزانہ عبادت میں تعریف وحمد کے گیت گائے جاتے تھے۔ دعائیں کی
جاتی تھیں اور قربانیاں عمل میں آتی تھیں۔

(۶۔)مذاہب اسرار کے عارفین متبرک خوراک کے وسیلہ اپنے دیوتا
کے ساتھ یگانگت حاصل کیا کرتے تھے یہ متبرک خوراک قربانی کے دوران میں یا
قربانی کے بعد کھاتی جاتی تھی اور اس کا تعلق قربانی کے ساتھ ہوتا تھا ایلیوحسس
میں ڈیمیٹر کے آگے قربانی چڑھائی جاتی تھی اور قربانی کے بعد مقتول جانور کا
گوشت بطور متبرک خوراک کے کھایا جاتا تھا۔ تقریباً تمام مذاہب میں داخلہ سے
پہلے یہ متبرک خوراک کھائی جاتی تھی۔ مثلاً متھرا کے مذہب میں داخلہ کی رسوم میں
روٹی اور پانی کا پیالہ چڑھایا جاتا تھا۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اہلِ حلقہ اس
متبرک خوراک کو کھاتے وقت یہ خیال کرتے تھے کہ وہ اپنے دیوتا کو کھارہے ہیں
اور یوں اس کو کھا کر اس سے رفاقت حاصل کررہے ہیں یا نہیں۔ اس میں کچھ
شک کی گنجائش نہیں ہے کہ بعض مذاہب میں یہ خیال تھا کہ اس طرح کھانے
سے وہ اپنے معبود کی الہیٰ زندگی میں شریک ہورہے ہیں۔ مثلاً ڈایونیسیس
زیگریس کے مذہب کے اہل حلقہ اس قربانی کے جانور پر ٹوٹ پڑتے تھے۔
اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کچا کھاجاتے تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ اپنے
معبود کو جو قربانی میں رہتا ہے کھاتے ہیں۔ یہ مادی اور طلسمانہ خیال کہ مجرد

قربانی کے گوشت کے کھاتے ہی خود بخود الہیٰ رفاقت حاصل ہوجاتی ہے عوام الناس میں پھیلاہوا تھا۔ لیکن روحانی مزاج اشخاص اس متبرک خوراک کو اپنے معبود کے ساتھ رفاقت رکھنے کے لئے فضل کا وسیلہ خیال کرتے تھے اور یہ خوراک کل جماعت کے رشتہ اتحادو یگانگت کا ظاہری نشان ہوتی تھی۔ اس سوال کا جواب کہ یہ خوراک کس طرح رفاقت کا ذریعہ ہے ہمیں ان کی تحریرات میں نہیں ملتا۔ اور اہلِ حلقہ بالعموم مذکورہ بالا طلسمانہ خیال ہی کومانتے تھے۔

(۳)

دیدار الہیٰ

ثالثاً۔ اہل حلقہ میں داخلہ کا فوری نتیجہ دیوتا کا دیدار ہوتا تھا۔ پرستاروں کا یہ ایمان تھا کہ معبود اپنی زیارت دینے کے لئے حاضر ہے اس درشن پر بڑا زور دیا جاتا تھا۔ یہ زیارت کبھی خواب میں کبھی حالت وجد میں حاصل ہوتی تھی۔ ظہور الہیٰ چکا چوند روشنی میں ہوتا تھا۔ ایرسٹیڈیز ہمیں ایک تجربہ بتاتا ہے جس میں " آئی سس کی طرف سے نور آیا اور ایسی باتیں ظاہر ہوئیں جو زبان پر نہیں لائی جاسکتیں اور جو نجات میں مدد دیتی ہیں۔ اسی رات سیرایس اور اسکیولیپس دکھائی دیئے جو ایک دوسرے سے مشابہ تھے اور قد اور خوبصورتی میں حیرت انگیز تھے"۔ اپولیوس نے " آدھی رات کے وقت آفتاب عالمتاب کی روشنی یکھی"۔ اہل حلقہ اپنے جذبات کو بھڑکا کر اس امید میں رہتے تھے ک وہ دیدار الہیٰ حاصل کریں گے ۔ مثل مشہور ہے کہ " واہمہ خلاق ہے" لہذا ان کی قوت واہمہ وہی سامان ان کے سامنے اکٹھا کردیتی تھی جن کا توہم ان کو پیدا ہوتا تھا اور وہ قدرۃً محروم نہ رہتے تھے ۔ پس جذبات کا بھڑکنا دیدار کی امید جماعت کی آرزو ، منتر کے پڑھنے کی طلسمانہ تاثیر غرضیکہ ان کی ذہنی حالت ایسی ہوتی جوان کو اپنے دیوتا کے درشن حاصل کرنے میں ممدومعاون ہوتی تھی۔

فصل پنجم

مذاہب باطلہ کی کامیابی کے اسباب

جب ہم ان مذاہب اسرار پر غور کرتے ہیں توہم حیران رہ جاتے ہیں کہ یہ مذاہب جو درحقیقت مجموعہ خرافات تھے اورجن کی ابتدا فطرت کی تبدیلیوں کے مشاہدہ سے ہوئی تھی اورجن کے پیرو انی طبقات کے اشخاص ہوا کرتے تھے رومی یونانی دنیامیں نہایت سرعت کے ساتھ پھیل گئے اور اس قدر ہر دلعزیز ہوگئے کہ اگر مسیحیت کا وجود نہ ہوتا تو یہ مذاہب غالب ہوگئے ہوتے۔ اس زمانہ میں یونانی فلسفہ بھی تھا۔ یہودیت جیسا اخلاقی مذہب بھی موجود تھا۔ سیاسی مذاہب بھی موجود تھے۔ قیصر پرستی بھی رائج تھی ۔ لیکن ان تمام مذاہب وفلسفہ کے باوجود لوگ ان مذاہب باطلہ کے شیدائی تھے اور تقریباً ایک ہزار سال تک ان کا کم وبیش اثر یونانی رومی دنیا پر رہا۔ یہ کیوں؟ چندوجوہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

اوّل ۔ سیاسی تبدیلیاں

یونان وروم کے سیاسی مذاہب ان ممالک کی سیاسیات سے وابستہ تھے۔ لہذا جب ملک کی سیاسی حالت میں تنزل واقع ہوا تو وہ مذاہب بھی قائم نہ رہ سکے۔ پس ان ممالک کی اقوام اپنی مذہبی پیاس کو بجھانے کیلئے۔ دیگر مذاہب کا راہ تکنے لگیں۔ یونانی رومی دنیا کے سرحد کے جنوبی اور شمالی ممالک وحشی تھے لہذا مشرقی مذاہب اسرار کو قبولیت کا شرف حاصل ہوگیا۔

دوم ۔ عوام الناس کے جذبات

رومی گورنمنٹ کی مذہبی پالیسی یہ تھی کہ وہ شاہی مذہب کو عوام سے منوانا چاہتے تھے تاکہ عوام کو قابو میں رکھ سکے۔ اور جب یہ نہ ہوسکتا تو ضروریاتِ زمانہ کو دیکھ کر گورنمنٹ اس مذہب کو شاہی مذہب قرار دے دیتی۔ جو عوام میں ہر دلعزیز ہوتا تھا اور یوں مذہب کو امن وامان اور سیاسی اغراض کے ماتحت کیا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ طبقہ بالا کے اصحاب کس مذہب کو نہیں مانتے تھے [35] اور عوام کی خاطر مذہب وقت کے پیرو ہوتے تھے۔ لیکن ایسے حالات ہمیشہ تک قائم نہیں رہ سکتے ۔ غیر رومیوں اور اجنبیوں کا سلطنت میں رسوخ بڑھتا گیا اوران کے مذاہب (جن کے عوام بھی پیرو ہوتے جاتے تھے) ترقی کرتے گئے۔

---

[35] Gibbon, Decline and Fall of the Roman Empire.Vol.1.Ch.xv

سوم ۔ علم النجوم کا اثر

یونان اور اطالیہ میں علم نجوم پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ اجسام فلکی کے نیک وبد اثر کی ایک دنیا قائل تھی اور ان مذاہب باطلہ میں ان امور کو بڑا دخل تھا۔ پس علم نجوم کے عقیدے نے ان مذاہب کی اشاعت میں اور بالخصوص متھرا کے مذہب کی اشاعت میں بہت مدد دی۔ آفتاب پرستی ان مذاہب کا رفتہ رفتہ مرکزی عقیدہ ہوگا۔ سیرآپس، اطیس، اور متھرا آفتاب کے دیوتا قرار دیئے گئے اور یہ مذاہب بڑی سرعت کے ساتھ پھیل گئے۔

چہارم ۔ معبودوں کی یکتائی کا خیال

یونانی رومی دنیا کی یہ خصوصیت تھی (اور مذہبی امور میں یہ خصوصیت نہایت نمایاں تھی) کہ مختلف الذات اصول یکجا کرکے ایک اصول کے ماتحت کئے جاتے تھے۔ جدت پسند طبائع کا فقدان تھا۔ نقاد کا وجود نہ رہا۔ سیاسی حالات کی تبدیلی سے بین الاقوامی احساسات کو ترقی ہوگئی تھی۔ قومی اور ملکی مذاہب اور فلسفہ سے لوگوں کے دل اُکتا چکے تھے۔ مختلف ممالک کے باشندے آزادانہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے اورآپس میں بیاہ شادی کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف ممالک کے باشندے دیگر مذاہب سے واقف ہوکر مختلف مذاہب کے مختلف اُصول کوایک ہی اُصول جان کر ماننے لگ گئے جس طرح فی زمانہ ہندوستان میں برہموسماج کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذاہب اسرار ضروریات

زمانہ کے مطابق گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدل لیتے تھے اور ایک دوسرے سے میل جول کرلیتے تھے اور طریقہ یہ ہوتا تھا کہ یا تو اس دیوتا کو جس کے پیرو شمار میں سب سے زیادہ ہوتے معبود حقیقی قرار دیدیا جاتا اور دیگر دیوتاؤں کو اس کے تابع کردیا جاتا اور یا ایک دیوتا کا انتخاب کرکے اس کو بہمہ اوصاف متصف کیا جاتا۔ مثلاً اطیس کو اطیس تعالیٰ اور نظام عالم کو یکجا کرنے والا" کہا جاتا اور آمی سس کو" آئی سس دیوی جو سب میں سب کچھ ہے" کہا جاتا۔ ایک اور طریقہ یہ تھا کہ جن دیوتاؤں کے ایک ہی طرح کے اوصاف ہوتے وہ ایک ہی معبود کے مختلف مظاہر خیال کرلئے جاتے ۔ مثلاً آئی سس ہزاروں نام " والی تھی۔ " قدرت کی والدہ ، تمام عناصر کی ملکہ ، زمانوں سے پیشتر کی مولود جس کو فرگیہ کے لوگ پیسی انیٹن دیوتاؤں کی ماں کہتے ہیں۔ اتھینی منروا کہتے ہیں کپری وینس کہتے ہیں، قریتی ڈائنا کہتے ہیں جس کو سسلی کے باشندے پروسرپینا اور ایلیسین ڈیمیٹر کہتے ہیں اور بعض جونو اور بعض ہکیٹی کہتے ہیں لیکن مصری اور دیگر لوگ مجھے میرے اصلی نام ملکہ آمی سس سے خطاب کرتے ہیں" چنانچہ شہنشاہ ایلگزنڈر سیرورس بھی مختلف اقوام کے بزرگوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرتا تھا۔ وہ اور افیورس اور ابراہام اور اپولونیوس کی پوجا کیا کرتا تھا۔ یہ دیوتا ایک دوسرے سے غیرت نہیں کھاتے تھے بلکہ بسا اوقات ایک ہی مندر میں دیگر مذاہب کے دیوتاؤں کی پوجا کرتی تھی۔ مذاہب اسرار میں یہ خصوصیت نہایت غالب تھی۔ ایک مذہب دوسرے کی رسوم وعقائد اختیار کرنے سے نہ شرماتا۔ بلکہ اس کے لئے یہ امر باعث فخر تھا کہ وہ دیگر دیوتاؤں کی پرستش میں تنگ خیال نہیں ہے۔ مذاہب اسرار کی اشاعت میں اس خصوصیت نے بڑی مدد دی۔

پنجم۔ گناہ کا احساس اور نجات کی تلاش

اس زمانہ کے لوگوں میں گناہ کا احساس بڑھتا گیا۔ یونانیوں اور رومیوں کا خیال تھا کہ وہ اپنے اخلاقی نصب العین کو پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن تلخ تجربے نے ان کو ناامیدی کے دلدل میں پھنسادیا۔ افلاطون اور ارسطو گناہ کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے۔ افلاطون نے اس کو جہالت اور ارسطو نے اس کو افراط تفریط کے مساوی قرار دیا تھا۔ لیکن مابعد کی نسلوں نے اس فلسفہ کو تجربے کے خلاف پایا۔ گناہ کا احساس روز بروز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ لوگ یہ خیال کرنے لگ گئے کہ ان کا زمانہ کل جگ کا زمانہ ہے ۔ ان نسلوں کے مصنفین گناہ کی حقیقت سے زیادہ واقف ہوتے گئے اور دنیا پر اس کو ظاہر کرتے گئے ۔ گناہ کے احساس کے ساتھ گناہ سے رہائی اور نجات کا احساس بھی روز بروز بڑھتا گیا اور نجات کے وسائل کی تلاش بڑھتی گئی "۔ صاحبو ۔ہم کیا کریں کہ نجات پائیں" کی آواز یونانی رومی دنیا کے ہر گوشہ سے سنائی دیتی تھی۔ مذاہب اسرار جو ضروریات زمانہ کے مطابق اپنا رنگ بدل لیتے تھے اپنے دیوتاؤں کو "نجات دہندہ" کہکر پکارنے لگے اور عوام الناس ان مذاہب کے جو نجات اور فضل کا پیغام دیتے تھے پیرو ہوگئے۔

ششم ۔ حیات جاودانی کی خواہش

ان صدیوں میں مذہبی روح کی بیداری نے شخصت کے بقا کا خیال لوگوں کے دلوں میں ڈالدیا۔ چنانچہ پلوٹارک کہتا ہے " حیات جاودانی " اور بقا کی امید تمام جذبات سے معزز ترین اور قادر ترین ہے" لیکن یونان اور روم کے مذاہب اس امید کو پورا کرنے میں کوتاہ رہے۔ جب مغرب کا مشرق سے واسطہ پڑا اور یونانی رومی دنیا مذاہب اسرار سے جو اس امید کو پورا کرنے کا دعویٰ کرتے تھے واقف ہوئی تو عوام الناس ان کے پیرو ہوگئے ۔ یہ مذاہب ان لوگوں کو قبر کی ہیبت اورانجام سے چھٹکارا اورحیات سرمدی کی خوشخبری سناتے تھے۔ ان چندوجوہ کے باعث یہ مذاہب اسراری بڑی سرعت کے ساتھ یونانی رومی دنیامیں پھیل گئے۔

باب دوم

مسیحیت اور مشرکانہ مذاہب کا تصادم

مسیحیت کی رومی یونانی دنیامیں آمد

ہم نے گذشتہ باب میں ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے مذاہب اسرار بڑی سرعت کے ساتھ پھیل گئے تھے۔ہم نے تاریخی نقطہ نظر سے ان کے تاریک اور روشن پہلودونوں ناظرین کے سامنے پیش کردئیے ہیں۔ ہم کسی مذہب کے ساتھ ناانصافی کرنا نہیں چاہتے خاص کران مردہ مذاہب کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کرنا ظلم ہے جن کافی زمانہ کوئی پیرو نہیں اورجن کی حمایت میں کوئی قلم اٹھانے والا نہیں رہا ۔ ہم ان کاتاریک پہلو دکھا کر مسیحیت کی روشنی کوظاہر نہیں کرناچاہتے کیونکہ ایسا کرنا نہ صرف ان مردہ مذاہب پرہی ظلم ہے بلکہ مسیحیت کےساتھ ناانصافی کرناہے۔ یہ مذاہب مسیحیت کے پیش خیمہ تھے جنہوں نے منجئی عالمین کی رومی یونانی دنیامیں راہ تیار کی تھی لہذاہم ان کی ٹمٹاتی روشنی کو اور مسیحیت کی آفتابی روشنی کو اس کتاب میں پہلو بہ پہلو ظاہر کردیتے ہیں تاکہ ناظرین بجائے خود فاتح مذہب کی اندرونی قوت کا اندازہ کرسکیں۔

رات کا سن چاند کی رونق
ہے جبھی تک کہ آفتاب نہیں

فصل اول

مذاہب باطلہ کی ناکامی کے اسباب

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ اس زمانہ کی رومی یونانی دنیا نجات کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ لہذا مشرکانہ مذاہب جو زمانہ کا رنگ دیکھ کر گرگٹ کی طرح اپنا ڈھنگ بدل لیتے تھے۔اس دنیا کو نجات کے پیغام کی خوشخبری دیتے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ ناکام رہے اور مسیحیت جو "ایک مصلوب کے فسطائی کی منادی کرتی تھی اورسب ادیان کے پیچھے رومی دنیا میں آئی تھی سب کو پیچھے چھوڑ کر گوئے سبقت لے گئی ۔ مورخ لیکی تاریخ اخلاق یورپ میں کہتا ہے کہ" انسانی معلومات کی تاریخ میں شاید اس سے زیادہ حیرت انگیز کوئی واقعہ نہیں کہ قسطنطین کی تخت نشینی سے پیشتر بت پرست مصنفین مسیحیت کی اہمیت اور اس کے اثرات سے کامل بے اعتنائی برتتے رہے"(جلد اول صفحہ ۲۸۷) رومی دنیا اس مذہب کی طرف جس کا پرچار غلام نادان اور حقیر اشخاص کرتے تھے نظر کرنا بھی کسر شان خیال کرتی تھی۔ لیکن خدا کی شان میں اس مذہب کی تمام غیر مسیحی اور مشرکانہ مذاہب پر فتح نصیب ہوئی اورمذاہب اسرار کو شکست فاش ہوئی کہتے ہیں کہ قیصر جولین جس نے مسیحیت کو تباہ کرنے اور مذاہب باطلہ کو فروغ دینے کی سر توڑ کوشش کی تھی مرتے دم یہ کہہ گیا" اے گلیلی ۔ تو فاتح ہوا"۔ یہ کیوں؟ مسیحیت کی آمد پر ۔آرفزم(Orphism) جس نے یونانی مذہب میں کم وبیش بارہ سو سال تک نئی روح پھونک دی تھی اور جس نے دیگر ادیان کو بھی متاثر کررکھا تھا غائب ہو گیا۔ مصر کے دیوتا جو ساڑھے چار ہزار سال سے مصر پر حکمران [36] تھے مسیحیت سے مغلوب ہوگئے۔ آمی سس ترخم کی ماں" ہزاروں نام والی" دیوی رومی یونانی دنیا پر قریباً سات سو سال تک حکمران رہی اورہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی ۔ پسی نس کی " مادر عظیمہ" جس نے رومی سیاسی مذہب کو فتح کیا تھا آٹھو سو سال تک غالب رہے کر اپنی قوت کھو بیٹھی شامی دیوی اٹار گیٹس اوراس کے رفیق بعل قیاصرہ روم کی سرپرستی کے باوجود روم پر قابض نہ رہ سکے۔ متھرا دیوتا چار سوسال تک رومی سپاہیوں کا دیوتا اور عوام الناس کے دلوں پر فرمانروارہا لیکن مسیحیت کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا۔اسی طرح دیگر مذاہب باطلہ یکے بعد دیگرے غائب ہوتے گئے یہ کیوں؟ خواجہ صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ " ضروریاتِ وقت اور عیسائی مذہب کو ہر دلعزیز بنانے کے خیال نے قدیمی ، راہبوں کو اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ قدیمی مذاہب کفر والحاد کی روایات کو جناب مسیح اور ان کی والدہ پر جوں کی توں چسپاں کرکے لوگوں کو یہ کہہ دیں کہ جناب مسیح میں ان کے قدیمی خداؤں نے ظہور کیا۔ اوراس طرح اس وقت کے غیر مسیحی لوگوں کو یہ یقین دلادیں کہ یہ کوئی نیا

[36] Glover, Jesus of History.p.192.

مذہب نہیں یہ ان کا ہی قدیمی مذہب ہے۔ ان کا ہی خدا ایک دوسری شکل میں آتا ہے چنانچہ اس کے کل کے کل حالات بھی وہی ہیں "صفحہ ۵۴ کوئی مذہب ایسی آسانی سے ان مذاہب پر جو صدیوں سے لوگوں کے دلوں پر حکمران ہوں غالب نہیں ہوسکتا ۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ " شاہی اور قومی مذہب کو بدلنا اور اس کی جگہ ایک اور مذہب قائم کرنا کوئی آسان کام نہ تھا" صفحہ ۶۳ کاش کہ جناب خواجہ صاحب تاریخ کی ورق گردانی کرنے کی تکلیف گوارا فرماتے اور تحقیق سے کام لیتے ۔ ہم ناظرین کو ان مذاہب اسرار کی ناکامی کی خاص وجوہ مختصر طور پر بتاتے ہیں۔

اوّل ۔ ان کی روایات اور رسمیات

ان مذاہب کے ساتھ نیچریت کے ابتدائی تصورات وابستہ تھے ۔ وہ سب کے سب اس قدیم زمانہ کی یادگار تھے جس میں ابھی علم وعقل کی روشنی نہیں چمکی تھی اور فطرت کے مظاہر کی تشریح کے لئے لوگوں نے بے سروپا قصص گھڑے تھے جن کی خرافات اور بے ہودہ بد اخلاقی تفصیلات کو تمثیلی اصول تفسیر بھی نہ چھپاسکے[37]۔ ایسی روایات صاف باطن اشخاص کے لئے روحانی حقائق کی ترجمان ہوسکتی ہیں۔ لیکن عوام الناس کے اخلاق پر انکا بُرا اثر پڑتا تھا۔ جلوس کے وقت ان دیوتاؤں کے لنگ اور اعضائے تناسل کی نمائش

37 Gardner. Eph.Gosp.p.13 f.

کی جاتی تھی جس کے بد اثر کا ہم اندازہ لگاسکتے ہیں۔ ان کی دعاؤں کا ہم حصہ ایسے منتروں کا ہوتا تھا جس کو عوام نہیں سمجھ سکتے تھے اور اہل حلقہ بھی دھندلے طور پر ہی ان کو سمجھ سکتے تھے۔ ان کی رسوم وحشیانہ اور خونین ہوتی تھیں اور ان کے بے ہودہ ریاضت نے ان کو پست کردیا تھا۔ صحیح العقل اشخاص ان مذاہب سے بیزار تھے جن میں خسی شدہ پروہتوں کوذی عزت خیال کیا جاتا تھا اور جن کے پرستار جذبات سے متاثر ہو کر ناچنے اور اپنے بدنوں کو گھائل کرتے تھے۔ سانڈ کے خون میں غسل کرنے کی رسم سلیم طبائع کو منغص کرتی تھی۔ اگرچہ ان مذاہب نے زمانہ کے ڈھنگ کے مطابق اپنے رنگ کو بدلنے کی بڑی کوشش کی تھی تاہم وہ قدیم روایات اور رسوم کو ترک نہ کرسکے۔ انہوں نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے نئی نئی باتیں اختراع کیں ایک دوسرے کے رسوم بھی اختیار کئے لوگوں کی مذہبی اُمنگوں کو پورا کرنے کے لئے اصطباغ ، نئی پیدائش معبود کے ساتھ یگانگت ،وجد ، دیدار الہیٰ ، نجات ، حیات سرمدی وغیرہ وغیرہ کے تصورات کو اور تمثیلی اصول تفسیر کو بھی اختیار کرلیا۔ لیکن ان کی قدیمی روایات اور رسمیات کے عناصر ان کی بربادی کا باعث ہوئے ۔ ان کو وہ ترک نہیں کرسکتے تھے کیونکہ یہی عناصر ان مذاہب کا ست اور اصلی جوہر تھے۔ اور ان کے مذہب اخلاق اور تعلیم وتربیت کے ساتھ ناقابل انفصال طور پر وابستہ تھے۔

دوم۔ نجوم رمل جادو اور ٹوٹکہ

مذاہب اسرار نجوم رمل اور جادو ٹوٹکے کے ساتھ وابستہ تھے چونکہ رومی یونانی دنیا ان باتوں کو نظر وقعت سے دیکھتی تھی[38] اور یہ مذاہب زمانہ کے رنگ کے مطابق اپنی حالت کو بدل لیتے تھے لہذا انہوں نے بھی نجوم رمل اور جادو ٹوٹکہ بڑا رواج دیا۔ پس تھوڑی مدت کے لئے یہ مذاہب ہر دلعزیز ہوگئے ۔ لوگوں میں زوداعتقادی ۔ وہم پرستی ، عجائب پسندی بڑھگئی ۔ جھاڑ، پھونک کا دور دورہ ہوگیا۔ لیکن یہ باتیں حقیقی روحانیت کے منافی ہیں۔ لہذا مسیحیت کی روحانی قوت کے سامنے یہ مذاہب نہ ٹھہیر سکے۔اس زمانہ میں مصری شامی یونانی سامری رومی یہودی سب مذاہب ان امور کے قائل تھے۔ صرف مسیحیت ہی ان باتوں کی جانی دشمن تھی[39]۔ لہذا ہر دلعزیز نہ تھی۔ چونکہ مذاہب اسرار اپنے زمانہ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے وہ اس زمانہ کے لوگوں کو تبدیل نہ کرسکے۔ ہم جو اس روشنی کے زمانہ میں رہتے ہیں قیاس نہیں کرسکتے کہ رومی یونانی دنیا پر نجوم ورمل کا خوف کس قدر طاری رہتا تھا اور تعویز جادو ٹوٹکہ کی دہشت کس قدر غالب رہتی تھی[40]۔ چنانچہ بیون کہتا ہے کہ " ہم میں اور قدیم دنیا میں یہ فرق ہے کہ ہم خوف کی حالت سے ناواقف ہیں لیکن قدیمی دنیا ہمیشہ خائف و ترساں ہی

[38] Fairweather, Jesus and the Greeks pp.127. 129.
[39] Cf.Cumont, Astrology and Relgion Among the Greeks and Romans p.167
[40] Cf.Inge. Philopshy of Plotinus. Vol.1 p.50.

رہتی تھی[41]۔ یہی دہشت لوگوں کو جادوٹوٹکہ کی طرف کھینچ لے جاتی تھی اورجادو ٹوٹکہ ان کو مذاہب اسرار تک پہنچاتا تھا۔ اگرہم اس خوف ودہشت کا اندازہ کرسکیں توہم مسیحیت کے نجات کے پیغام کو بھی سمجھ سکیں گے ۔ منجئی عالمین کے پیغام کا نام انجیل یعنی خوشخبری ان لوگوں کے لئے حقیقی معنوں میں خوشخبری تھی۔

سوم۔ مشرکانہ مذاہب کا الہیٰ تصور

ان مشرکانہ مذاہب میں خدا کا تصور نہایت ادنیٰ درجہ کا تھا۔ ان کے خیال کے مطابق عابد اور معبود میں ایک قسم کا تجارتی رشتہ تھا کہ اگر اس کے پرستار اس کے حضور قربانیوں کی ایک معقول تعداد چڑھائیں گے تووہ اس کے بدلہ میں ان کے ملک یا شہر کی حفاظت ونگرانی کرے گا اس کے علاوہ معبود کا کوئی فرض نہیں تھا کہ وہ اپنے پرستاروں کی زندگیوں میں شریک ہو۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ ایسے ٹھیکہ دار اور تجارتی معبود انسان کی۔ روحانی اُمنگوں کو ہر گز پورا نہیں کرسکتے تھے۔ مسیحیت نے مشرکوں کو ایک ایسے خدا کی تعلیم دی جواُن کا باپ تھا اور جو اپنے فضل کی معموری ان کو مفت عطا کرتا تھا۔

حق تو یہ ہے کہ مسیحیت کے خدا اور مشرکانہ مذاہب کے دیوتاؤں کے قصور میں بعد المشرقین تھا۔ منجئی عالمین کی تعلیم میں خدا کے قصور کے ساتھ

[41] Bevan, Hellenism and Christinaity.

اخلاقی اور روحانی خیالات سچائی اور پاکیزگی کے خیالات محبت اور پروردگاری کے خیالات وابستہ ہیں[42] اور بعینہ انہی خیالات اور تصورات کا مشرکانہ دیوتاؤں کی زندگیوں اورکہانیوں میں نشان اورپتہ نہیں ملتا۔ مسیحی تصور کے خدا نے مشرکین کے دیوتاؤں کا خاتمہ کردیا۔ مسیحیت نے بت پرستی اور مورتی پوجا کوپیغام اجل سنادیا۔ اصنام پرستی عہد ماضی کے افسانے بن گئی۔

چہارم۔ مذاہب اسرار کی افراط تفریط۔

رومی یونانی دنیا کے سیاسی مذاہب ایک طرف اورمذاہب اسرار دوسری طرف افراط تفریط کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ مقدم الذکر سیاسی اورشاہی مذاہب نے انسانی شخصیت کوسیاسی اور معاشرتی اغراض کے تابع کرکے انسانی روح کی قدر نہ کی۔ مذاہب اسرار نے انسانی شخصیت پر اس قدرزور دیا کہ انسانی معاملات کے سیاسی اور معاشرتی پہلو کو بالکل نظر انداز کردیا۔ان کا سارا زور مراقبہ ومکاشفہ پر تھا۔ لہذا ترک تعلقات زاویہ نشینی وعزلت گزینی لازمی تھی۔ لیکن ایک کامیاب مذہب کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف انسانی شخصیت کو ہی مدِ نظر رکھے بلکہ سیاسی اور معاشرتی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈال سکے۔ مسیحیت کے اصول نہ صرف فرداً فرداً ہرروح کی نجات کے لئے تھے بلکہ وہ سیاسی اور معاشرتی اُمور پر بھی حاوی تھے وہ ایک طرف تو یہ اعلان کرکے انسانی روح کی قدرو عظمت

[42] Glover, Jesus in the Experience of Men p.150.

بڑھاتے تھے کہ" انسان کو کیا فائدہ حاصل ہوگا اگر وہ تمام دنیا کو حاصل کرلے اوراپنی روح کو کھودے" اور دوسری طرف خدا کی بادشاہت یا الہیٰ معاشرتی نظام کی منادی کرتے تھے کہ" ہم بھی جوبہت سے ہیں مسیح میں شامل ہو کرایک بدن ہیں اورآپس میں ایک دوسرے کے اعضا ہیں"۔ مسیحیت نے" انسان کی تمام ضروریات کو پورا کیا۔اس کی ذاتی امنگوں کو اور اس کے دینوی معاشرتی تعلقات کو بھی پورا کیا۔ مذہب اور اخلاق مسیحیت میں پیوند تھے۔ ایمان کا اعمال سے ظاہرہونا لازمی تھا[43]۔پس مذاہب اسرار جو انسان کی تمام ضروریات کو مد نظر نہیں رکھتے تھے ناکام رہے اور مسیحیت فتحیاب ہوئی۔

پنجم۔اخلاقی زندگی کا انحطاط

مذاہب اسرار اپنے پرستاروں کے چال چلن کو بہتر نہ کرسکے۔ ان میں روحانی اُمنگیں جوش زن تو تھیں لیکن یہ مذاہب ان اُمنگوں کو" آسودہ نہ کرسکے۔ لہذا ان اخلاقی زندگی میں کوئی نئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ پروفیسر گارڈنر کہتا ہے کہ " جو اشخاص آئی سس اور متھرا کے ذریعہ نجات پانے کے مدعی تھے وہ اپنے پڑوسیوں سے بہتر زندگی نہیں گذارتے تھے پس وہ ارفع روحانی خیالات کے مطابق اپنی زندگی بسر نہیں کرتے تھے لیکن مسیحی نہ صرف روحانی جوش سے بھرے ہوئے تھے بلکہ ان کا جوش ایثار نفسی۔ پاکیزہ زندگی ، مسیحی محبت اور

[43] Angus, Mystery Religions and Christianity p260.

بنی نوع انسان کی بہبودی کی صورت اختیار کرلیتا تھا"۔ پھر مورخ [44]لیکی کہتا ہے کہ" مشرکوں کے مذہب کے اندر اس کی کہیں گنجائش ہی نہ تھی کہ پاکیزگی اخلاق کے ذریعہ سے روحانی ترقی حاصل کرنا چاہیے ان کے ہادیان شریعت فضائل اخلاق سے بالکل بیگانہ تھے۔ اور حکما اخلاق مذہب وشریعت سے مطلق واسطہ نہ رکھتے تھے۔ یہ شرف محض مسیحیت کے لئے مخصوص تھا کہ اس نے اخلاق ومذہب کے ڈانڈے طاورے اخلاقی پاکیزگی کو نجاتِ اُخروی کا ذریعہ بنایا اور حسن اخلاق کے لئے وہ محرکات ومرغبات فراہم کردئیے۔ جن سے عوام وخواص دونوں برابر متاثر ہوتے تھے(جلد دوم صفحہ ۲)۔

پھر ایک اور جگہ کہتا ہے"۔ شرک ومسیحیت میں ابتدا سے مایہ الامتیاز یہ چلاآتا تھا کہ آخرالذکر کے نزدیک طینت کی پاکیزگی ونیت کی صفائی کخ العبادت تھی بخلاف اس کے مشرکوں کے یہاں باطنی پاکیزگی کو عبادت ومذہب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ خود مشرکوں کے یہاں اس کے خلاف بھی خال خال مثالیں ملتی ہیں (مثلاً سسرو یویونیس ومتعبین فثا عورث کے ہاں)لیکن عام حالت مشرکوں کی یہ تھی کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی فاسق وفاجر ہو بڑے سے بڑا مذہبی پیشوا بن سکتا تھا"(ایضاً صفحہ ۱۳۸)۔

ان کی روایات ان کے دیوتاؤں جو پیٹر، زیوس وغیرہ کی حیاسوزکہانیوں سے معمور تھیں۔ پومپئی شہر کی دیواروں پر تقریباً دوہزار تصاویر منقوش ہیں جن میں سے تقریباً ڈیڑھ ہزار صرف جو پیٹر کے عشق ومحبت کے افسانوں کی تصاویر ہیں [45]۔ مشہور لاطینی ڈراما نویس ٹیرنس Terence ایک جگہ کہتا ہے کہ یہ تصاویر مخزب اخلاق ہیں۔ ہمارے جوان ان تصاویر کو دیکھ کر اپنے دل میں کہتے ہیں کہ جب ہمارا دیوتا جو پیٹر یہ کام کرتا تھا تو ہم کیوں نہ کریں۔ ہومر اور ہیسیڈ (Homer and Hesiod) کی تصانیف میں جو دیوتاؤں کی کہانیاں درج ہیں وہ بدکاری اور فسق ومجور اورزناکاری کی تعلیم دیتی ہیں۔ باب اول میں ہم ذکر کرچکے ہیں کہ زناکاری مشرکانہ مذاہب کا جزولاینفک تھی اور ایک احسن شے خیال کی جاتی تھی ۔ مثلاً ہر سال لوگ ڈیمیٹر کی رسوم میں شامل ہونے کے لئے ایلیوسس جایا کرتے تھے ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لسیس (Lysias) جو یونان میں فصاحت وبلاغت کے لئے مشہور تھا ایک فاحشہ عورت کو جس کے ساتھ وہ رہتا تھا اور عورت کی مالکہ کو جو ایک مشہور کٹنی تھی اپنے ساتھ ڈیمیٹر کے اہل حلقہ میں شامل ہونے کے لئے لے گیا اور بغیر کسی " وکدیا پروہت اور پجاری کے اعتراض کے وہ تینوں اہل حلقہ میں شامل کئے گئے اسی طرح کرنتھیوں کے شہر میں ایفروڈایٹی کا مندر تھا جس میں عورتیں اپنی عصمت فروشی کی کمائی دیوی کے حضور گذارنتی تھیں۔ شام کے شہر کمانہ کے مندر میں ایک ہزار ایسی عورتیں ہر وقت موجود رہتی تھیں ایسے حالات میں ان مذاہب

[44] Gardner, Relgious Experience of St. Paul. P.87 f.

[45] Glover, Jesus of History: p.198.

ہے یہ ہر گز امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنی آواز زناکاری اور دیگر مخرب اخلاق باتوں کے خلاف اٹھائے۔

ششم۔ جذبات کا اشتعال

مذاہب اسرار اپنے پرستاروں کو نہ صرف باطل روایات کی تعلیم دیتے تھے بلکہ ان کے جذبات کو حد سے زیادہ بھڑکاتے تھے۔ وہ ان کے روحانی خیالات اور اخلاقی تصورات پر نہیں بلکہ محض جذبات اور احساسات پر زور دیتے تھے لیکن ان احساسات کو عقل کے تابع نہیں کرتے تھے۔ ان مذاہب کے ہمراہ جو فلسفہ اور فلسفہ اخلاق آیا اس کا اصل الاصول یہ تھا کہ عقل کو اشراق ومکاشفہ کے سامنے مغلوب رکھا جائے۔ چنانچہ لوگ بجائے عقل ودلیل کے کشف وکرامات کے قائل ہوگئے اور وہم پرستی کا دور دورہ ہوگیا پر انسانی ترکیب اور بناوٹ سے ہم عقل کو خارج نہیں کرسکتے اور نہ اس کو احساسات اور جذبات میں تبدیل کرسکتے ہیں اور نہ اس کو ان کے تابع کرسکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان مذاہب کی دینیات نہایت کمزور اور ان کی عقلی دلائل نہایت بے مایہ اور بودی تھیں لہذا تنقید کی تاب نہ لاسکیں لیکن جس مذہب کی جڑ حقیقی روحانیت میں ہوتی ہے وہ عقل کے حملات سے مضطرب نہیں ہوتا بلکہ عقل ایسے مذہب کی ممدومعاون ہوتی ہے۔ یہ مذاہب جو جادو رمل وغیرہ سے وابستہ تھے فلسفہ کی عقلی بنیادوں پر کس طرح اپنی عمارت تعمیر کرسکتے تھے؟ لہذا صحیح العقل اشخاص جو تنقید کا مادہ رکھتے تھے اور سر میں دماغ اور دماغ میں سمجھ رکھتے تھے وہ ان مذاہب سے بیزار تھے۔ مسیحیت نے اپنے ایمان کو قائم رکھنے کی غرض سے عقل کے ذریعہ عقائد بنائے اور تمام تنقیدی حملے بیکار کردیئے۔ مسیحیت کے زبردست رسول مقدس پولوس نے خود ان کو یہ تعلیم دی تھی کہ " سب چیزوں کو پرکھو اور بہتر کو اختیار کرو"۔ اس کے پیروؤں میں جہاں جاہل غلام اور ناخواندہ اشخاص تھے وہاں پولوس، یوحنا، کواڈریٹس، ایرسٹیڈیز، ٹیشین، جسٹن، اتھینا گورس، تھیوفلس، ملیٹو، اپولی نریس، فیلکس، کلیمنٹ، اوریجن، وغیرہ وغیرہ جیسے فلاسفہ اور فضلائے روزگار بھی تھے پس مسیحیت عقل فلسفہ احساس اور جذبات کو کام میں لاکر ان مذاہب پر غالب ہوئی۔

ہفتم۔ مذاہب باطلہ کے غیر معین مفہوم

چونکہ یہ مذاہب صرف جذبات کو ہی مشتعل کرتے تھے اور تمثیلی اصول تفسیر سے اپنی لغو اور بے ہودہ روایات کی تشریح کرتے تھے لہذا ہر شخص جس طرح چاہتا ان کی رسوم وروایات کو سمجھ لیتا تھا۔ ایک ہی شے سے ایک شخص ایک مطلب سمجھتا دوسرا اس کا الٹ سمجھ لیتا۔ مثلاً ڈل کہتا ہے کہ " پلوٹارک مصری دیوتاؤں کے چوگرد چمکیلی کو ہر کی مرعوب خاطر روشنی بکھیرتا ہے یہاں تک کہ یہ پُرانی خرافات ہر قسم کی تشریح کے تابع ہوجاتی ہیں اور ہر شے دوسری شے کا نشان بن جاتی ہے اور سب چیزیں خوبصورت اور پاک دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن ان تمام کے باوجود وہ پُرانی بے ہودہ اور پایہ اخلاق سے دور افتادہ قصص کو ان مذاہب سے نہیں دور کرسکتا۔ حیوانات ان کے مسجود ہیں اور

اوسیرس کابت اپنی فحش عریانی میں کھڑا ہے[46] "۔ لیکن ایمبلیکس جیسے ان
فحش امور کو ہی روحانی معراج کا وسیلہ قرار دیتے تھے اور لنگ پر دھیان کرنے کو
ایک احسن شے خیال کرکے اپنے جذبات اوراحساسات کو مشتعل کرلیتے تھے۔
پس ان مذاہب نے اپنی روایات اور رسمیات کا کوئی خاص اور معین مطلب قائم
نہیں کیا تھا۔ بلکہ جیسا ارسطو کہتا ہے یہ مذاہب اپنے پرستاروں کو ایک خاص
ذہنی حالت میں ڈال دیتے تھے اور بمصداق

ع   فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہر شخص اپنے اپنے خیالات کے مطابق ان کا مطلب سمجھ لیتا تھا۔ توہم پرست
اورمادی خیالات کے اشخاص اپنے خیالات کے مطابق اورروحانی مزاج اشخاص
اپنے خیالات کے مطابق ان سے مطالب اخذ کرلیتے تھے۔مورخ گبن کہتا ہے کہ "
دور حاضرہ کا ناظر ان طریقوں کا تصور بھی نہیں کرسکتا جن کے وسیلے سے وہ
نہایت معمولی تفصیلات اورالفاظ سے نہانی مطالب اخذ کیا کرتے تھے چونکہ
مشرکانہ مذاہب کے قصص کی مختلف روایات مروج تھیں لہذا مفسر جو روایات
چاہتے اختیار کرلیتے اورروایت کا جو حصہ ان کے مطالب کا نہ ہوتا اس کو وہ
چھوڑدیتے ۔ وہ خیالی اصول تفسیر سے جس روایت کی جس طرح چاہتے تفسیر کر
ڈالتے " مثلاً زہرہ دیوی کی برہنہ فحش اور شہوت انگیز مورت سے بعض شخص

[46] Dill. Roman Society.p.575.

روحانی مطالب اخذ کرلیتے اور بعض کسی مادی حقیقت کو پالیتے۔ اطیس کے خسی
ہونے سے کبھی آفتاب کی گردش مراد لی جاتی اور کبھی روح کی بدی اور گناہ سے
جدائی کا مطالب اخذ کرلیا جاتا"عوام[47] الناس شہوانی باتوں پر ہی دھیان کرتے
تھے۔ ان کے لئے برہنہ فحش اور شہوت انگیز مورتوں کا ہونا اورلنگ پر دھیان
کرنا مخرب اخلاق تھا۔ کیونکہ وہ اپنے خیالات کے مطابق ہی ان کو سمجھ سکتے تھے۔
لیکن ذہن انسانی ایسی باتوں پر دیر تک ایمان نہیں رکھ سکتا جن کے مفہوم غیر
معین ہوں اوران مذاہب کی خوبی ان کے غیر معین ہونے میں ہی تھی۔ پس علم
وعقل کی روشنی کے سامنے یہ مذاہب قائم نہ رہ سکے۔

ہشتم۔ جزاوسزا کا عقیدہ

حیات بعدالموت کا خیال مشرکانہ مذاہب کی اشاعت کا ایک بڑا
بھاری سبب تھا۔لیکن اس معاملہ میں ان کی تعلیم کا مفہوم غیر معین تھا چنانچہ
مورخ لیکی ہمیں بتاتا ہے کہ "مسیحیت نے اخلاقی تعلیمات کو موثر بنانے کے
طریقے بالکل نئے اختیار کئے وہ طریقے یہ دوتھے۔ ایک یہ کہ مسیحیت نے حیات
بعد الموت میں جزا وسزا کا پورا یقین دنیا کو دلادیا۔ مشرکوں کے یہاں یہ تخیل
بہت ہی دھندلااور مبہم تھا۔ مسیحیت نے اسے پوری وضاحت وقطعیت کے
ساتھ پیش کیا۔ دوسرے مسیحیت نے یہ بتایا کہ ہر نفس کو اپنے جزئیات اعمال

[47] Gibbon, Decline and fall of the Roman Empire vol.1. chap.23.

تک کا فرداً فرداً حساب دیناہوگااور سزائیں عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوں گی۔ یہ دونوں طریقے بالکل نئے تھے اور ان کا عام قلوب پر بے حد اثر ہوا"۔ (جلد دوم صفحہ ۲)۔

نہم۔ جانوروں کی قربانی

قربانی مشرکانہ مذاہب کا جزو تھا۔ ہر چند عوام الناس حیوانات کی قربانی کو ایک احسن شے خیال کرتے تھے اوراپنے دیوتاؤں کے غصہ کو اس ذریعہ سے فروکرنا سیکھ گئے تھے لیکن سلیم الطبع اشخاص زندہ جانوروں اور انسانوں کی قربانیوں سے متنفر تھے۔ مسیحیت نے جانوروں کی قربانی کرنے کا اصول بیخ وبن سے اکھاڑ ڈالا اور یہ تعلیم دی کہ ممکن نہیں کہ بیلوں اور بکروں کاخون گناہوں کو دور کرے"(عبرانیوں ۱۰ : ۵)مسیح قربانیوں کو" موقوف کرتے ہیں" تاکہ ہر ایماندار خدا کوکہہ سکے کہ " دیکھ میں آیا ہوں تاکہ اے خدا تیری مرضی پوری کروں"(عبرانیوں ۱۰ : ۷)اور" اسی مرضی کے سبب ہم سیدنا مسیح کے جسم کے ایک ہی بار قربان ہونے کے وسیلے سے پاک کئے گئے ہیں"(عبرانیوں ۱۰ : ۱۰)مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ " قربانیوں سے جو ہر سال بلاناغہ گذرانی جاتی ہیں پاس آنے والوں کو ہر گز کامل نہیں کرسکتی (عبرانیوں ۱۰: ۱)اورخدا سے محبت کرنا" سب سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بڑھ کر ہے"(مرقس ۱۲ : ۳۳)۔

فصل دوم

مسیحیت کی کامیابی کے اسباب

اول۔ مسیحیت کی روحانیت

مسیحیت کی کامیابی کی وجہ محض مذاہب باطلہ کے عیوب ونقائص ہی نہ تھے بلکہ اس کی خاص وجہ خود اس کی اندرونی قوت تھی۔ مسیح کی روح نے عوام الناس میں ایک نئی روح پھونک دی مختلف مورخین نے مسیحیت کی کامیابی کے مختلف اسباب بتائے ہیں۔ مثلاً گبن اپنی مشہور کتاب کے پندرھویں باب میں پانچ وجوہ بیان کرتا ہے۔ یعنی ابتدائی مسیحیوں کا جوش حیات بعد الموت اورجزا وسزا کے عقائد ، معجزات کا وقوع، مسیحیوں کی اعلیٰ زندگی، اورسیاسی نمونہ پراس کا نظام ، لیکی مسیحیت کی کامیابی کی تین وجوہ بتاتا ہے ۔ یعنی اس کے عقائد جن کو عقل تسلیم کرتی تھی۔ اس کی زبردست اخلاقی قوت اوراس کی تواریخی بنیاد[48]۔ رینان کہتا ہے کہ " مسیحیت نے دنیا میں زندگی کا ایک نیا معیار قائم کردیا اوراس کے غالب آنے کی وجہ بھی یہی ہے[49] "۔ کمگفرٹ کہتا ہے کہ " مسیحیت اس واسطے فاتح ہوئی کیونکہ اس میں قوت اور

---

[48] Day Book.p.27.
[49] Renan, Mare Aurele.p.561.

قیام کے عناصر موجود تھے اوراس نے مختلف دلکش امور کو یکجا کررکھا تھا اور یہ نسبت دیگرمذاہب کے لوگوں کی مختلف حاجتوں کورفع کرنے کی اس میں زیادہ اہلیت تھی۔۔۔۔ رومی سلطنت میں اس کا اعلیٰ ہونا ہی اس کی فتح کا باعث تھا[50]"۔

اگرمشرکانہ مذاہب میں لوگوں کی روحانی حاجتوں کو پورا کرنے کی اہلیت ہوتی توجب قریباًڈھائی سوسال تک رومی قیاصرہ مسیحیت پر تشدد کرتے رہے اور بقول مام سین ان کی قربانیاں ڈاکوؤں کے لوٹنے کی طرح ہمیشہ جاری رہیں اور ۱۹۳ ء کے بعد قریباً نصف صدی تک یہ مذاہب قیاصرہ کے منظورِ نظر رہے تب وہ مسیحیت پرفاتح ہوجاتے۔ مزید برآں جب جولین تخت نشین ہوا اور اس نے مشرکانہ مذاہب کودوبارہ فروغ دیا تب وہ نہایت آسانی سے مسیحیت پر فاتح ہوجاتے۔ چنانچہ مورخ گبن ہم کو بتاتا ہے[51] ہے کہ مرتد جولین کی زندگی پر" یونانی اور رومی دیوتاؤں کی خاص محبت کا جذبہ حکمران تھا"۔ اس کے زمانہ میں یونان اورایشیامیں نہایت عالی شان مندر کھڑے تھے جن میں نہایت شان وشوکت سے قربانیاں کی جاتی تھیں۔ اس نے مشرکین کو حکم دیا تھا کہ تمام مندر کھول دیئیے جائیں۔ اوراس نے ان مندروں کے پرستاروں کو ان تمام قیود سے آزاد کردیا جن میں قسطنطین اوراس کے بیٹوں نے ان کو جکڑرکھا تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے سردار کاہن کا لقب اختیار کرلیا اوراپنے دینی فرائض کونہایت تن دہی سے انجام دینے لگا۔ اس نے اپنے محل میں سورج دیوتا کا ایک مندربنوایا اوراپنے باغات میں جابجا دیوتاؤں کی قربان گاہیں اور بت نصب کردیئیے محل کا ایک ایک کمرہ عالیشان مندر معلوم ہوتا تھا علی الصباح طلوع آفتاب اور ہرشام غروب آفتاب کے وقت وہ قربانیاں گذرانتا تھا اور رات کو وہ چاند ستاروں کی پوجا کرتا تھا۔ اس نے ملک کی آمدنی کا بیشتر حصہ قربانیوں میں ضائع کردیا۔ دورُ کے ممالک سے خوبصورت ترین پرندے قربانی کرنے کی خاطر روم میں لائے جاتے اوراکثر اوقات ایک ہی دن میں ایک سوبیل ذبح کئے جاتے تھے۔ قدیم مندروں کی مرمت اور بحالی میں اس نے زرِ کثیر صرف کردیا۔ یہاں تک کہ مشرک لائی بینیس (Libanius) کہتا ہے کہ دنیا کے ہر حصے میں مذہب کی فتح ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں قربانگاہوں پر قربانیاں چڑھائی جاتی ہیں۔جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور پروہت اور پجاری بغیر کسی قسم کے خوف اوراندیشہ کے اپنے فرائض کو انجام دیتے ہیں سب سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر گانے بجانے کی صداسنائی دیتی ہے اور دیوتاؤں کے پرستار ہر طرح کی خوشی میں مست رہتے ہیں۔جولین نے فوجی علم پر سے مسیح کے پاک نام کو مٹادیا اوراس کی جگہ مشرکانہ توہمات اورجنگ کے نشانوں کو لگایا تاکہ ہرسپاہی جھنڈے کوسلام کرتے وقت اوربخور جلاتے وقت دیوتاؤں کی پرستش

[50] McGiffort, Infulence of Christianity in the Roman Empire.p.43.
[51] Decline and fall. Vol.1.chap.23.

کرسکے "[52]جولین نے یہ سب کچھ کیالیکن جیسا گبن کہتاہے " جولین کی طاقت ایک ایسے مذہب کو بحال نہ کرسکی جس میں کوئی مذہبی اصول نہ تھے جو اخلاقی اصول سے یکسر معریٰ تھا۔ جس میں کوئی تنظیم نہ تھی اور جوباوجود اپنے اقبال وحشمت کے انحطاط اور زوال کی طرف دوڑاجارہا تھا اور جس میں اصلاح کی گنجائش ہی نہ تھی[53]"۔ ڈاکٹر بیکن جسکے بعض نتائج سے ہمیں اختلاف ہے کہتا ہے کہ " مسیحیت نے رومی سلطنت کے تمام مذاہب پر فتح پائی اور یہ محض حسن اتفاق نہ تھا بلکہ مسیحیت بذات خوداس قابل تھی کہ بنی نوع انسان کو مہذب اور واحد کردے "۔ [54]مورخ لیکی بھی مسیحیت کی کامیابی کے قدرتی اسباب کا ذکر کرکے پوچھتاہے کہ " مسیحیت کے سوا اور کسی مذہب میں اس وقت دلاویزی وقوت کے اتنے عناصر جمع تھے۔ یہودیت کے برخلاف اس میں کوئی امر ایسا نہ تھا جواسے شخص القوم ومختص المقام رکھے بلکہ یہ ہر قوم وہر طبقے کے لئے یکساں موزوں تھی اسی طرح رواقیت کے برخلاف اس کی تعلیم رہبانیت ، وجذبات کشی کی غیر فطری تعلیم نہ تھی۔ بلکہ اس نے جذبات لطیف کو تو خاص طورپر مخاطب کیا تھا پھر اسی طرح مصری مذاہب کے برعکس یہ کوئی غیر عملی مذہب نہ تھا بلکہ اس میں عالم مفاد کے ساتھ اخلاق کی بھی خاص تعلیم دیجاتی تھی اور یہ انسان کو عملی بناتا تھا۔ جس وقت مختلف قومیں اورجماعتیں پہلی بار ایک دوسرے سے متصل ہورہی تھیں اس نے اُخوت انسانی کا درس دیا جس وقت تمدن تعلیم کے اثر سے طبیعتوں میں نفاست وتراکت پیدا ہورہی تھی اس نے خلوص ومحبت کی تعلیم دی۔ غلاموں کی بھیڑ اسے اپنے حق میں آیہ رحمت سمجھی اورخیال کرنے لگی کہ یہ شریعت محض ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے لئے نازل ہوئی ہے۔فلاسفہ کے گروہ نے اسے اس لئے بڑھ کر لبیک کہا کہ اس میں ان کو افلاطون کے محاسن اور رواقیہ کے اخلاق کی جامعیت نظر آئی ۔۔۔۔ ایک جماعت میں اس واسطے مقبولیت حاصل ہوئی کہ یہ لوگ روز روز کے سیاسی مناقشات وملکی تنازع سے تنگ آکر اپنے پس مرگ انجام کے لئے بے چین تھے انہیں آکر اس نے قیامت کے آنے بدکاروں کے واصل جہنم ہونے اور نیکوکاروں کے داخل جنت ہونے کی بشارت دی اورایک گروہ نے اس لئے بڑھ کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی کہ یہ رواقیت کی خشک وغیر فطری روایات جذبات کشی کی تعلیم سے اُکتا گیا تھا۔انہیں اگراس نے لطیف ومحبت خلوص وہمدردی کی نوید سے محظوظ کیا۔۔۔۔ انسان کی جبلت میں جو متقنضیات روحانی ہیں ان کی تشفی کی۔زمانہ کی اخلاقی ضروریات کو پورا کیا۔ ۔۔۔ یہ تھا اس کی کامیابی کا راز اوراس کے عروج کا گُر"۔(جلد اول صفحہ ۳۲۷)۔

پس مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ مسیحیت کا روحانی معیار اس کی کامیابی کی وجہ تھی مسیحیت کی فتح کا باعث محض یہ نہ تھا کہ مذاہب اسرار ناکام ثابت ہوچکے تھے۔ اس کاسبب یہ بھی نہ تھا کہ یونانی فلسفہ اس کی پشت پناہ

---

[52] Decline and fall. Vol.1.chap.23.
[53] Decline and fall. Vol.1.chap.23.
[54] Bacon , Jesus and Paul.p.4

تھا۔ جس نے مسیحیت کے عقائد کو عقل کے مطابق ثابت کردیا تھا کیونکہ یونانی فلسفہ دیگر مذاہب کی تائید میں بھی قلم اٹھاتا تھا لیکن مسیحیت اس واسطے فاتح ہوئی کیونکہ اس میں مسیح کی اعلیٰ اور برتر شخصیت تھی اور دیگر مذاہب سے یہ عنصر مفقود تھا۔ یہ مذاہب جیسا ہم پیشتر کہہ چکے ہیں مسیحیت کے پیش خیمہ تھے ان کو خدا نے استعمال کیا تاکہ وہ لوگوں کو مسیح کے پاس لائیں انہوں نے دنیا کو یہ تعلیم دی تھی کہ مذہب خدا اور انسان کے درمیان ایک شخصی رشتہ کا نام ہے انہوں نے گناہ اور نجات کی ضرورت کا احساس لوگوں میں پھیلادیا تھا۔ اور سیاسی اور شاہی مذاہب کی جگہ عالمگیر مذہب کا خیال دلوں میں ڈالدیا تھا۔ حیات بعد الموت کے عقیدہ سے عوام روشناس ہوچکے تھے انہوں نے مختلف دیوتاؤں اور معبودوں کی صفات کو یکجا کرکے توحید کے لئے رومی دنیا کو تیار کردیا تھا۔ پس جب کامل مذہب آیا تو نہ ناکامل مذاہب مٹ گئے ۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ قرآن میں یوں فرماتا ہے بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (سورہ انبیاء ۱۸ آیت) یعنی باطل پر حق کا پتھر مارتے ہیں اور تب باطل نابود ہوجاتاہے ۔ مسیحیت کی حقانیت نے ان مذاہب باطلہ کونابود کردیا۔

دوم۔ مسیحیت کی عالمگیری

مسیحیت ہی ایک ایسا مذہب تھا جو حقیقی معنوں میں عالمگیر تھا اور جوعلانیہ آزاد اور غلام امیر اور فقیر یہودی اور یونانی رومی اور بربری ۔ مردوزن میں تمیز نہیں کرتا تھا۔ اس امر میں بھی مذاہب اسرار سکندر کی فتوحات اور ستویقی فلسفہ نے مسیحیت کی راہ تیار کررکھی تھی۔ لیکن نہ تومذاہب اسرار میں اور نہ ستویقی فلسفہ میں مسیحیت کا سارا اخوت انسانی کا تخیل موجود تھا"۔ مسیح کی تعلیم نے بنی نوع انسان کو خدا باپ کے فرزند اورایک دوسرے کے بھائی " قرار[55] دیدیا تھا" مسیح نے ہمارے باپ ابراہیم " کی بجائے" ہمارے باپ جوآسمان میں ہے" کی تعلیم دی جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ مسیح نے دنیائے اخلاق میں ایک نیا تصور داخل کردیا۔ یہ الفاظ صرف چنداشخاص کو یک جا نہیں کرتے بلکہ تمام انسانوں کوایک دوسرے کا بھائی قراردیتے ہیں۔ اوریہودی اور غیر قوم یونانی اور بربری ، جرمن، اورویلش ، کالے اور گورے کوایک کرکے باہمی منافرت کے جذبات کو مٹاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان الفاظ کا مفہوم ہی نہ رہا"۔ تاریخ[56] اس امر کی شاہد ہے کہ مسیحیت نے ہی بنی نوع انسان کو ایک کردیا اوراس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ دنیا میں مسیحی محبت ایک

---

[55] Seebey, Ecce, Homo,chp.12
[56] Seebey, Ecce, Homo,chp.12

بالکل نیا عنصر تھا جواُم الفضائل قرار دیا گیا۔ چونکہ اس کا ذکر ہم نے کہیں اور کیا ہے ہم یہاں اس پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

سوم۔ مسیحی ایمان کی طاقت

جس طرح دنیائے اخلاق میں مسیحی محبت ایک نئی طاقت تھی اسی طرح دنیائے مذہب میں مسیحی ایمان ایک نئے شے تھا۔ ایمان مسیحیت کا ابتدا ہی سے اصل الاصول رہاہے۔ اسی لفظ نے مسیحیوں کو تمام توہمات پر غالب کردیا تھا"۔ یہ کوئی نیا لفظ نہ تھا۔ صحائف انبیاء میں ہم کو یہ لفظ ملتا ہے ۔ لیکن اس سے پہلے نہ تو یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا اور نہ انسان کی قدر اور وقعت کو ظاہر کرتا تھا۔ مسیحیت کی آمد نے اس لفظ کو دنیائے اخلاق میں مستقل طور پر جگہ دیدی[57] "۔ یونان اور روم کے مشرکانہ مذاہب میں کوئی عنصر ایسا نہ تھا جو انسان میں ایمان کی روح پھونک سکتا۔ عبادت کا مقصد ایمان کی تقویت نہ تھا بلکہ سیاسی بہبودی تھا۔ ہیچ صاحب بتاتے ہیں کہ مشرکانہ مذاہب میں ایمان کوئی بنیادی اصول نہ تھا"۔ سیاسی اور شاہی مذاہب میں ایمان مذہب کا اُصول نہ تھا۔ لوگ رسوم میں اس واسطے شریک ہوتے تھے کیونکہ وہ اس خاص جگہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہر فرد محض ایک سیاسی یامعاشرتی جماعت کا شریک تھا۔اس کے اعمال اوراس کے ایمان میں کوئی تعلق نہ ہوتا تھا اور نہ اس کا ایمان محرک اعمال

[57] Ibid.chp.6.

تھا[58] "۔ ایمان کا تصور فلسفہ سے بھی غائب تھا۔ جب ہم ستویقی فلسفہ کا بھی جزو نہیں تھا۔ ہیچ کہتا ہے کہ ستویقی فلسفہ میں "ایمان مذہب کے جزو کے طور پر نہیں ملتا۔ ستویقی فلاسفہ کی مذہبی زندگی میں ایمان کو دخل نہ تھا اوریہی باعث تھا کہ ان کی مذہبی تعلیم میں بھی ایمان کا عنصر ہم کو دکھائی نہیں دیتا[59]۔

محقق خیال کرتا ہوگا کہ چونکہ مذاہب اسرار شخصیت پر زور دیتے تھے۔ لہذا کم از کم ان مذاہب میں تو ایمان پرزور دیاجاتا ہوگا۔ لیکن ان مذاہب میں بھی ایمان مذہبی زندگی کا اُصول نہیں تھا۔ان کے خیال کے مطابق ایمان صرف عقیدہ یا ظاہری رسوم میں یقین رکھنے کا ہی نام تھا۔لیکن ایمان کے حقیقی مطالب سے وہ ناآشنا تھے۔ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ ایمان ایک شخصی زندہ خدا پر بھروسہ رکھنا ہے اور وہ خدا اور انسانی روح میں رشتہ پیدا کرتا ہے۔ مثلاً ان کا یہ خیال تھا کہ جونہی متبرک خوراک حلق سے نیچے اترتی ہے وہ خود بخود اعجازاً انسانی روح کو پاکیزہ بنادیتی ہے اوراس نتیجہ کا عابد کی اپنی روحانی حالت اور ایمان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں لیکن مسیحیت نے ایمان کو اپنے مذہب کا بنیادی پتھر قرار دیدیا اوریوں عابد اور معبود میں رشتہ یگانگت پیدا کردیا۔ سیدنا مسیح نے یہ تلقین کی تھی کہ " اپنی جان کا فکر نہ کرنا کہ ہم کیاکھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کا کہ کیا نہیں گے؟ جب خدا میدان کی گھاس کوجو آج

[58] Hatch, the Pauline Idea of Faith.p.68
[59] Ibic pp.75-76

ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تواے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائیگا۔۔۔تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو"(متی ۶ باب)۔

سیدنا مسیح ہر شخص کی روحانی حالت اوراس کے ایمان نے تجھے بچالیا ہے۔(لوقا ۷: ۵۰)۔ایک اور کو فرمایا"۔ بیٹی خاطر جمع رکھ تیرے ایمان نے تجھے اچھا کردیا"(متی ۹: ۲۲) اوران ہی الفاظ سے گنہگاروں کی تشفی فرمائی ۔ جہاں کہیں منجئی عالمین نے ایمان دیکھا اس شخص کی تسلی کی آپ نے ایک غیر یہودی عورت کی تعریف میں فرمایا"۔ اے عورت تیرا بڑا ہی ایمان ہے (متی ۱۵: ۲۸) مسیحی ایمان میں نہ اعجاز وکرامت کو دخل ہے نہ جھاڑ پھونک کو۔ نہ وہ ظاہری رسوم پر یقین رکھنے کا نام ہے وہ نہ کسی عقیدہ کا مترادف ہے بلکہ وہ اس روحانی حالت کا نام ہے جو ہر انسان پر طاری ہے جو اپنا سارا آسرا بھروسا آسمانی باپ پر رکھتا ہے۔ ایمان بطور ایک مذہبی اصول کے صرف مسیحیت ہی میں پھلدار ہوا۔ مسیحی ایمان میں وہ تمام مذہبی عناصر موجود تھے جو متقدمین کے تجربہ میں آچکے تھے۔ مسیحیت نے انسان کواس کی سفلی حالت سے اٹھا کر بلند کردیا اور تمام دینوی رشتوں میں وہ کامیاب ثابت ہوئی۔ اس کی مانند کوئی مذہب جامع نہ تھا اورایک لحاظ سے تووہ بے نظیر تھا۔ کیونکہ اس میں ایک تواریخی شخص پر ایمان رکھنے کی نہایت جوش کے ساتھ تلقین کی جاتی تھی۔ مسیح کی شخصیت نئے مذہب کی مرکز تھی"۔ مسیحی " سیدنا مسیح کے ذریعہ" ایمان رکھتے تھے پس مسیحیت کا بنیادی عقیدہ مسیح پر ایمان لانا تھا۔ پولوس رسول نے اسی ایمان کومرکزی جگہ دی۔

چہارم۔ مسیحی کتب مقدسہ کا استعمال

مسیحی کتب مقدسہ جن میں یہودیت کی کتب مقدسہ بھی شامل تھیں مسیحیت کی کامیابی کا ایک بڑا باعث تھیں یہ ایک زبردست روحانی ہتھیار تھا جو مستند مانا جاتا تھا۔ رومی دنیا میں قدیم اشیا کی بڑی تعظیم کی جاتی تھی ۔چنانچہ افلاطون کے پیرویونانی فلسفہ کی قدامت کو اس کی صداقت کی دلیل میں پیش کیا کرتے تھے ۔لیکن مسیحیوں کی کتب مقدسہ کے مقابلہ میں یونانی فلسفہ کل کی چیز تھا ان کتب کا دعویٰ تھا کہ وہ نہ صرف قدیم ہیں بلکہ صحف سماوی بھی ہیں ۔ لہذا ان قدیم کتب کا دعویٰ عوام کے قلوب پر بڑا اثر ڈالتا تھا ۔ مسیحیوں نے عہدِ عتیق کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کو اہلِ یہود اور غیر اقوام دونوں کے خلاف استعمال کیا۔ اسی کے متن سے اور عہد عتیق کی آیات سے وہ یہ ثابت کرتے تھے کہ مسیح زمانہ قدیم سے تھا۔ جس کی پیش خبریاں آدم کے وقت سے چلی آتی ہیں اور انسانی تواریخ میں اس کو مرکزی جگہ دی گئی ہے اس زمانہ میں یہ دلیل نہایت کار گرثابت ہوتی تھی لہذا مسیحیت کی کامیابی میں یہ بڑی مددگار ثابت ہوئی۔

یونانی فلسفہ کا مورخ ذیلر(Zeller) ہم کو بتاتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کا یہ خیال تھا کہ خدا کی ذات کا علم صرف الہیٰ مکاشفہ ہی سے حاصل ہوسکتا ہے

اورہماری محدود اورناقص عقل کی رسائی وہاں تک ناممکن ہے۔ پس جومذہب اس الہیٰ مکاشفہ کا دعویٰ کرتا تھا وہی اس میدان میں بازی لے جاسکتا تھا۔ اورجو مذہب سب سے بڑا دعویٰ کرتا تھا اس میں عوام کے لئے سب سے بڑی کشش ہوتی تھی۔ ہم بتاچکے ہیں کہ مسیحیت کا یہ دعویٰ تھا کہ صرف اسی کی کتب سماوی میں الہیٰ مکاشفہ ہے اور دیگر مذاہب شیطانی الہام کا نتیجہ ہیں۔ مسیحی بہانگ دہل کہتے تھے کہ " آسمان کے نیچے بنی آدم کو کوئی دوسرا نام نہیں ، دیا گیا جس میں اورجس کے وسیلے سے سلامتی اور نجات حاصل ہوسکے مگر صرف ہمارے سیدنا مسیح کا نام"۔ یہودیت کا یہ دعویٰ تھا کہ یہوواہ کا علم زندگی کا وسیلہ ہے اور یہ علم بنی اسرائیل کوموسیٰ اورانبیاء کے وسیلہ عطا کیا گیا ہے اورعہد عتیق کی کتب میں من وعن محفوظ ہے۔ مذاہب اسرارکہتے تھے کہ دیوتا کے سوانح حیات کا ڈراما اہل حلقہ کورسوم تبرکات اور منتروں کاوہ علم عطا کرتا ہے جو نجات کاوسیلہ ہوتا ہے ۔ لیکن مسیحیت نہ صرف یہودی کتب مقدسہ کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتی تھی بلکہ ان کو نامکمل قرار دے کران کی تکمیل کے لئے مسیحی کتب مقدسہ کو بھی پیش کرتی تھی۔ مذاہب اسرار کے دیوتاؤں کے بالمقابل وہ اپنے بانی کی پاکیزہ زندگی اور تواریخی شخصیت کو پیش کرکے یہ دعویٰ کرتی تھی کہ مسیح نے باپ کو ہم پرظاہر کیاہے ۔پس ہمیں خدا کا علم حاصل ہے" جس نے مجھے دیکھا اس نے خدا کو دیکھ"۔ پس یہودیت اورمذاہب اسرار سیدنا مسیح کی شخصیت کے سامنے ناکام رہ گئے۔

علاوہ ازیں مسیحیوں کی انجیل بھی یونانی زبان میں تھی جس کو مشرق ومغرب میں ہر کہ دمہ بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ اگرچہ مسیحیت کے پیروتعداد میں مشرکانہ مذاہب کے پیروؤں سے بہت کم تھے۔ لیکن ان کی کتب مقدسہ کا ہر پڑھالکھا شخص مطالعہ کرسکتا تھا۔ ہاں اگرانجیل ارآمی زبان میں ہوتی تو بقول ڈیسن من "ارآمی انجیل مسیحیت کو کنعان کی حدود سے آگے نہ بڑھنے دیتی[60] " لیکن الہیٰ انتظام نے انجیل یونانی زبان میں تحریر کرائی جو پہلی صدی سے پیشتر بین الاقوامی زبان ہوگئی تھی اورہندوستان سے روما تک بولی جاتی تھی۔ لہذا وہ انجیل کی اشاعت میں نہایت ممدومعاون ثابت ہوئی ۔ جب ہم ان کے ساتھ ہی مسیحیت کے روحانی معراج پر غور کرتے ہیں تو مسیحیت کی نمایاں کامیابی میں حیرت کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

پنجم ۔دکھ اوررنج کے مسئلہ کا حل

مذہب کی صداقت کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ زندگی کے غم اوررنج دکھ اور مصیبت کے وقت وہ انسان کی تسلی کرسکے سوائے مسیحیت کے دنیا کا کوئی مذہب یہ نہیں کرسکا۔صرف بدھ مت نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ بھی ناکام رہا۔ کیونکہ اس کا جواب یہ تھا کہ جذبات کے پورا نہ ہونے سے انسان دکھی ہوتا ہے پس جوانسان سکھ میں رہنا چاہتا ہے وہ

60 Deismann, Light from the Anceint East.p.58.

جذبات سے ہی منہ موڑلے۔ ستوئیقی فلسفہ نے بھی رنج اور دکھ کا ڈنگ نکالنے کی کوشش کی اوریہی وجہ تھی کہ یہ فلسفہ مقبول عام بھی تھا۔ لیکن اس نے بھی احساسات کو دبانے کی ہی تلقین کی۔ پروفیسر بگ کہتا ہے کہ " مسیحیت کی طرح ستوئیقی فلسفہ دکھ اور غم کا فلسفہ ہے اوریہی وجہ ہے کہ وہ مقبول خلائق بھی تھا۔ لیکن مسیحیت کے برعکس وہ مایوسی کافلسفہ ہے[61] "۔ اوریہی اس کی ناکامی کا باعث ہوا۔ مذاہب اسرار نے بھی اپنے تمثیلی اُصولِ تفسیر کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ ان کے دیوتاؤں کی کہانیاں محض قصے ہی تھے۔ لہذا وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ مسیحیت نے رومی یونانی دنیا کو دکھ اور مصیبت پر غالب آنے کی تعلیم دی اوردکھ کو سکھ میں اوررنج کو خوشی میں تبدیل کردیا۔ مسیحیت کا بانی "جلال کا بادشاہ" تھا اور " وہی مردِ غمناک" بھی تھا۔ جس کی دینوی زندگی کا خاتمہ صلیب پر ہوا تھا۔صلیب کی روشنی نے دنیا کے تاریک پہلو کو منور کردیا اور یہ ثابت کردیا کہ چونکہ صلیبی موت نجات کا باعث ہے۔ لہذا دکھ موجب عذاب نہیں بلکہ موجب ثواب ہے اور کہ رنج اور غم ہی میں خوشی اور حقیقی راحت پنہاں ہے۔ خدادنیا کو پیار کرتا ہے لہذا محبت کا تقاضا یہی ہے کہ دوسروں کے رنج اور مصیبت کو خوشی اورراحت میں تبدیل کردیں۔ انجیل شریف کہتی ہے کہ " جو اپنی جان بچاتا ہے وہ اسے کھوئیگا اورجو اپنی جان کھوتا ہے وہ اسے بچائیگا "۔

[61] Bigg, Christian Platonists.p288.

"جب میرے سبب لوگ تمہیں لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اورہر طرح کی بُری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تم مبارک ہوگے۔ خوشی کرنا اور نہایت شادماں ہونا"۔

"اپنے دشمنوں سے محبت رکھو، اپنے ستانے والوں کے واسطے دعا مانگو"۔ " مسیح کے دکھوں میں جوں جوں شریک ہوخوشی کرو۔ اگرمسیحی ہونیکے باعث کوئی شخص دکھ پائے تو شرمائے نہیں بلکہ اس نام کےسبب خدا کی بڑائی کرے۔۔۔۔ جو خدا کی مرضی کے موافق دکھ پاتے ہیں وہ نیکی کرکے اپنی جانوں کو وفادار خالق کے سپرد کریں"۔ ڈین انگ کہتا ہے کہ" بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونانی فلاسفہ دکھ کہ مسئلہ کو چھونے سے ڈرتے ہیں ۔ درحقیقت مسیحیت کے سوا کسی فلسفہ یا مذہب نے دنیا کے غموں کے ڈنگ کو نہیں نکالا[62] "۔

مسیحیت نے رومی یونانی دنیا کو دکھ اوررنج کے عذاب سے رہائی دینے کی بشارت دی اور مسیحیوں کے تجربہ نے اس دعوے کی تائید کرکے مسیحیت کو مقبول خلائق بنادیا۔

[62] Inge Plotinus Vol.11.p.208.

ششم۔ مسیحی نجات کا مفہوم

مشرکانہ مذاہب کا لفظ" نجات" سے یہ مطلب تھا کہ روح کو مادی دنیا کی قید سے کس طرح رہائی مل سکے۔ لیکن مسیحیت کا " نجات" کے لفظ سے یہ مفہوم نہ تھا۔وہ اسی دنیا کو ایک بہتر دنیا میں تبدیل کرنے کی خواہش مند تھی۔اس کے بانی کا حکم تھا" کہ تم دنیا میں رہو۔ لیکن دنیا کے ہو کر نہ رہو"۔ نجات مادی دنیا سے خلاصی پانے کا نام نہیں بلکہ گناہ سے مخلصی پانے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکانہ مذاہب اور مسیحیت کی اخلاقیات میں بھی نمایاں فرق ہے۔ سیدنا مسیح کی تعلیم کے مطابق خدا کی محبت انسان کے دل کو قابو کرلیتی ہے اوراس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ خدا کی مرضی کو اسی دنیا میں پورا کرے۔اس گناہ بھری دنیا میں خدا کی محبت انسان کے دل کو قابو کرلیتی ہے اوراس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ خدا کی مرضی کو اسی دنیا میں پورا کرے۔ اس گناہ بھری دنیا میں خدا کی محبت ایسے انسانوں کو پیدا کردیتی ہے جو دنیا کی کایا پلٹ دیتے ہیں اور لوگوں کو شیطانی خیالات اور افعال سے آزاد کرکے خدا تعالیٰ کے خیالات اور مرضی کے مطابق ڈھالتے ہیں۔جہاں افلاطون کا فلسفہ کہتا ہے کہ " تم دنیا سے اپنے آپ کو آزاد کرو" سیدنا مسیح ہم کو حکم دیتے ہیں کہ تم دنیا سے آزاد ہوجاؤ تاکہ تم اسی دنیا میں خدا کی محبت اور مرضی کے مطابق کام کرسکو اوراپنے ابنائے جنس کو بہتر بناسکو۔کہاں مشرکانہ مذاہب کی تعلیم اورکہاں منجئی جہاں کی تعلیم بایہی وجہ تھی کہ دنیا نے مسیحیت کو قبول کیا اورشرک دنیا سے ناپید ہوگیا۔

ہفتم۔ مسیحیت میں خدا کا تصور

جیسا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں مشرکانہ مذاہب میں خدا کا زندہ تصور موجود نہیں۔ ان مذاہب میں خداوند زندہ حقیقت نہیں جس کا تصور مسیحیت میں موجود ہے۔افلاطون کا فلسفہ بھی اس تصور کو بہتر نہ بناسکا۔ اس کا تصور محض ایک تجرید ہے جو بصورت تصور موجود ہے۔ وہ صرف ایک روحانی تصور ہے۔ لیکن مسیحیت کا خدا محبت کا زندہ خدا ہے۔ جو انسانوں کا خالق ہے اورانسانوں میں اوران کے ذریعہ کام کرتا ہے ۔ وہ قوانین فطرت کا محض مجموعہ نہیں جس سے فلاسفہ اپنے اذہان کو تسلی دیا کرتے تھے۔ بلکہ وہ ایک ایسی پُرمحبت شخصیت ہے جو قوانین فطرت سے برتر واعلیٰ ہے۔ جس کی مرضی کے تابع کل قوانین ہیں اور جو ان قوانین کے ذریعہ اپنا کام کرتا ہے ۔ چڑیا تک بھی" اس کی مرضی کے بغیر نہیں گرتی"(متی ۱۰ : ۳۰)۔

اور وہی پروردگار عالم ہم کو محبت کرتا ہے یہاں تک کہ ہمارے سر کے بال بھی گنے ہوئے ہیں"۔(متی ۱۰ : ۳۱) یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ واحد زندہ خدا کا تصور دنیا میں نہ ستوئیقی حکما نے پھیلایا۔ نہ کسی فلسفہ میں یہ طاقت ہوئی اور نہ مشرکانہ مذاہب میں یہ اعلیٰ تصور تھا۔صرف مسیحیت ہی نے

ایسے خدا کی حقیقت کو دنیا پر منکشف کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرکانہ مذاہب ایسی پاکیزہ تعلیم کی روشنی کی تاب نہ لاسکے اور زائل ہوگئے۔

ہشتم۔ مسیحیت کا بانی ایک تورایخی شخص تھا

مسیحیت نے اپنے تمام حریف مذاہب پر اس وجہ سے بھی غلبہ پایا کہ اس کا بانی ایک تواریخی شخص تھا جس کی شخصیت اس کی تعلیم سے بھی بڑی تھی۔ مسیحی جذبات کا محرک محض ایک خیالی شخص نہ تھا۔لیکن ایسا تھا جو" سب باتوں میں ہماری طرح آزمایا گیا تھا"(عبرانیوں ۴: ۱۶)مسیحیت ایک زبردست روحانی طاقت تھی اوراس کا مرکز مسیح کی شخصیت تھی۔ مسیحی صرف رسوم عقائد اور تعلیمات پرایمان نہیں رکھتے تھے بلکہ مسیح اوراس کی شخصیت پر ایمان رکھتے تھے۔ مذاہب اسرار میں دل کو لبھانے والی رسوم موجود تھیں۔ ان کے قصص تمثیلی اصول تفسیر نے دلاویز بنارکھے تھے لیکن ان کے دیوتا محض خیالی تھے اور کوئی تواریخی ہستی نہیں رکھتے تھے۔ خود جناب خواجہ کمال الدین صاحب اقرار کرتے ہیں کہ " کل دنیا نے ان ہستیوں کو تخیل کی ہستیاں قرار دیدیا ہے"صفحہ ۱۰۶ ۔ قدرتی طورپر وہ مذاہب دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں جن کے بانی تواریخی شخص ہوگذرے ہیں۔ مسیح کے مقابلہ میں مذاہب اسرار صرف متھرا اور اطیس اور اپالو وغیرہ کو ہی پیش کرسکتے تھے۔لیکن سب جانتے تھے کہ " متھرا کسی شخص کا نام نہ تھا اور نہ اس نے کسی سانڈ کو مارا تھا۔مامتا کی ماری مادرعظیمہ نے کبھی اطیس کے لئے آنسو بہائے تھے۔ آئی سس مذہبی تخیل کا نتیجہ ہی تھا۔ڈایونیسیس کو اس کے پرستار کہتے تھے کہ " اے منجی آ " لیکن وہ خود اپنے پرستاروں کی قوت متخیلہ کا مخلوق تھا۔اپالو جو یہ اعلان کرتا تھا کہ " میں جلالی آسمانوں کی نسبت نیک انسانوں کےدلوں میں رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں" آفتاب پرستی کاصرف بلند ترین زینہ تھا۔ستویقی کلمہ محض ایک تصور ہی تھا[63]لیکن مسیحیت اس کلمۃ اللہ کی منادی کرتی تھی جو"مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اورہم نے اس کا جلال دیکھا"(یوحنا ۱: ۱۴)اس کے ایمان کا مرکزایک تواریخی شخص تھا جو" زندگی کا کلام"۔ تھا " جسے ہم نے سنا اوراپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ یہ زندگی ظاہر ہوئی اورہم نے اسے دیکھا اوراس کی گواہی دیتے ہیں۔۔۔۔ جو کچھ ہم نے دیکھا اورسنا ہے تمہیں بھی اس کی خبردیتے ہیں تاکہ تم بھی ہمارے شریک ہو اور ہماری خوشی پوری ہوجائے۔ (۱۔یوحنا ۱: ۵) مسیحی متکلمین اپنے مذہب کی اس خوبی سے کماحقہ واقف تھے اور بار بار اپنے معاصرین پر یہ حقیقت واضح کرتے تھے چنانچہ ٹیشین مسیحیت کے مخالفین کو کہتا ہے" جب ہم تم کو بتاتے ہیں کہ خدا انسان کی شکل میں اس دنیا میں آیا تو ہم تم کو کوئی قصہ کہانی نہیں سناتے۔ ہم اپنے مخالفین کو بہانگ دہل کہتے ہیں کہ آؤ اپنی لغویات اور خرافات کاہمارے بیانات کے ساتھ مقابلہ کرکے دیکھو ۔۔۔تمہاری روایات محض قصے کہانیاں ہیں۔ اے یونا نیو! میرا یقین کرو

[63] Angus,Mystery Religions and Christianity.p.310

اوراپنی خرافات کو اوراپنے دیوتاؤں کو تمثیلی پیرایہ میں پیش کرنیکی کوشش نہ کرو"[64]

جب ہم اس زمانہ کے حالات پر نظر کرتے ہیں توہم سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں مسیحیت تمام مشرکانہ مذاہب پر غالب آئی۔ یونانی رومی دنیا کی خصوصیت[65] تھی کہ وہ اخلاقی نصب العین کو کسی شخصی لباس میں دیکھنا چاہتی تھی۔ یونانی فلسفہ بلند وبالا تھا اوراس کی تعلیمات کاعوام الناس کے قلوب پر کچھ اثر نہیں پڑتا تھا۔ کیونکہ شخصیت جیسی محرک چیز ان میں موجود نہ تھی۔لوتھر نے خوب کہا ہے کہ تعلیم ہمیں بتاتی ہے کہ ہم کو کیا کیا کرنا چاہیے۔لیکن اس میں عمل کرانے کی طاقت نہیں ہوتی۔ محض یہ کہنا کہ نیکی کرو کافی نہیں ہوتا۔ عوام الناس کے لئے ایک ایسا نمونہ درکار ہے جواس تعلیم پر خود عمل کرکے لوگوں کو عمل کرنے کی طرف راغب کرے۔ اس زمانہ کے سنجیدہ مزاج لوگ ایسے شخص کی تلاش میں تھے جس کے نمونہ کو دیکھ کروہ اپنی روشوں کو درست کرسکیں[66]یہی وجہ تھی کہ اطیس ،اپالو ،آئی سس وغیرہ کے نمونوں کو تمثیلی پیرایہ میں پیش کیا جاتا تھا تاکہ عوام الناس اپنے اخلاق کو سدھارسکیں۔ لیکن سب جانتے تھے کہ یہ دیوتے لوگوں کے من گھڑت ہیں اوران کے تمثیلی اُصول تفسیر محض پادر ہواتاویلات پر مبنی ہیں۔یونانی رومی دنیا ایک کامل شخص کی تلاش میں تھی۔لیکن اس کا وجود مشرکانہ مذاہب میں کہیں نہ پاتی تھی۔ستوئیقی فلسفہ نے ایک کامل انسان کی تصویر کھینچ کرلوگوں کے سامنے پیش کردی لیکن ساتھ ہی پلوٹارک نے اقرار بھی کردیا کہ " وہ زمین پر کہیں نہیں ملتا اور نہ ہی کبھی زمین پرپیدا ہواہے"۔ اس انسان کامل کا نقشہ مسیحیت نے یونانی رومی دنیا کے پیش کرکے کہا کہ وہ مسیح ابن مریم ہے۔ جو" ہماری طرح سب باتوں میں آزمایا گیا۔ لیکن پاک رہا"(عبرانیوں ۴: ۱۶)اورجس نے ہم کو یہ بھی حکم دیاہے کہ " تم کامل ہوجیسا تمہاراآسمانی باپ کامل ہے"۔(متی ۵: ۴۸)۔

فصل سوم

مسیحیت کی عصبیت اورعدم رواداری

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ " کل کی کل کلیسیا کی بنیاد ہی آفتاب پرستی پر ہے۔ اس کی روایات بھی وہی ہیں " صفحہ ۶۵ ۔ پھر فرماتے ہیں کہ شاہ قسطنطین نے عیسائیت اختیار کرکے یہ چاہا کہ" وہ سورج کے مذہب کو توہر رنگ میں قائم رکھے لیکن صرف نام بدل دے اور اپالو کی کرسی پر جناب مسیح کو بٹھادے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس طرح ایک طرف اہلِ روما نے اپنے مذہب میں کچھ ایسی تبدیلی نہ پائی ، دوسری طرف عیسائی نام پرہی خوش ہوگئے۔۔۔مذہب تووہی رہا صرف معبود کا نام اپالو کی جگہ مسیح ہوگیا۔ آخراپالو بھی توہر کیولیز،ڈایونیسیز اورمتھرا کا ایسا ہی قائم مقام تھا۔ یہ بات تومدت سے

---

[64] Tatian.and Groecos.21.
[65] Epictetus. Discourses.11.19
[66] Angus,Op.cit.p.82

یونان وروما میں چلی آئی تھی روایات مذہبی تو قدیمی قائم رہتی تھیں لیکن ہیروکانام بدل جاتا تھا " صفحہ ۶۳ لیکن خواجہ صاحب غضب کرتے ہیں جو فرماتے ہیں کہ " مورخ گبن کی بھی یہی رائے ہے "صفحہ ۵۵ کہ مسیحیوں نے اور کانسٹن ٹائن نے " اپالو کی کرسی پر جناب مسیح کو بٹھادیا"۔ معلوم نہیں گبن کی کس کتاب میں خواجہ صاحب کو یہ بات ملی۔ گبن کی تاریخ ہماری میز پر پڑی ہے ۔ جس میں وہ کہتا ہے کہ " عیارشہنشاہ (قسطنین) نے نہایت ہوشیاری سے وعدہ خلافی کئے بغیر (مشرکانہ مذاہب کے استیصال نہ کرنے کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے) شرک کی بوسیدہ عمارت کی بیخ کنی کرنی شروع کی۔انصاف اور فائدہ عام کے بہانہ سے مگر درحقیقت مسیحی جوش کی وجہ سے اس نے سختیاں کرنی شروع کیں۔ اس نے جادو ٹونکہ کرنے والوں کے لئے سخت سزائیں تجویز کیں ۔ دیوتاؤں کی آوازیں بند کی گئیں۔ مصری دیوتاؤں کے پروہتوں کو خاموش کردیا گیا۔اس کے حکم سے فینیکی (Phoenicia) کے بہت سے مندر گرادیئے گئے ۔ جن میں زہرہ دیوی کی مدد حاصل کرنے کے لئے روزروشن زناکاری ہوتی تھی۔ قسطنطنیہ شہر کا ایک حصہ یونان اور ایشیا کے مندروں کی لوٹ سے تعمیر کیا گیا۔ مندروں کی وقف جائداد میں ضبط کرلی گئیں[67]۔ ہم خواجہ صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا ایک دیوتے (اپالو) کی جگہ

[67] Decline and Fall.Vol.1.chap.21.

دوسرا دیوتا (مسیح) اسی طرح بٹھایا جاتاہے -پھر گبن ہمیں بتاتا ہے کہ قسطنطین کی تخت نشینی سے کئی سال پہلے مسیحیت کی اشاعت رومی سلطنت کے ہر صوبہ میں ہوچکی تھی[68]۔

ہم کو بار بار افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے تحقیق سے کام نہیں لیا۔ یہ بات حق ہے کہ یونانی اور رومی مذاہب ایک دوسرے کی روایات کو اختیار کرکے اپنے اپنے دیوتاؤں پر چسپاں کردیتے تھے اوراس بات کا ہم ذکر بھی کرچکے ہیں لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسیحیت نے ایسا ہر گز نہیں کیا۔رومی اور یونانی مذاہب رواداری کو احسن شے خیال کرتے تھے۔ ان کاعقیدہ یہ تھا کہ ہر شخص کے لئے اسکے ملک کا دین ہی بہتر ہے لہذا وہ مفتوح اقوام کے مذاہب کے ساتھ پوری رواداری کا برتاؤں کرتے تھے بلکہ رومی سپاہ جس شہر پر حملہ آور ہوتی تھی پہلے اسی شہر کے دیوتا سے مدد کی طلبگار ہوتی تھی لیکن مسیحیت ابتداہی سے ہر طرح کی رواداری کی دشمن رہی۔ پولوس رسول نے مشرکانہ مذاہب اور رسوم کو" شیطانی " قرار دیدیا تھا(۱ کرنتھیوں ۱۰ : ۱۴ تا ۲۲)اوریہی وجہ تھی کہ اس مذہب نے مشرکانہ مذاہب سے عناد پیدا کرلیا۔لیکن لیکی کہتا ہے کہ " مسیحیت نے عصیبت کے زور سے اپنے نظام کو جس قدر مضبوط و مستحکم بنالیا تھا۔ یہ بات کسی اورمذہب کو نصیب نہ تھی۔۔۔۔ مسیحیت کے اس انضباط وعصیبت سے اس کے حریف

[68] Ibid.Vol.1.chp.15.

یکسر معریٰ تھے۔ اس نے آتے ہی یہ صاف صاف کہہ دیا کہ اس کے سوا دنیا کے
تمام مذاہب باطل ہیں نجات ہے صرف اس کے پیروؤں کے لئے اور لعنت ہے
ان لوگوں کے لئے جو اس کے حلقہ سے باہر ہیں"(جلد اول صفحہ ۳۲۹)۔ اگر
مسیحیت نے مشرکانہ مذاہب کو" ہر رنگ میں قائم" رکھا ہوتا اور صرف "نام"
بدلنے پر ہی اکتفا کیا ہوتا اور اہل روما نے مسیحیت اور اپنے مذہب میں " تبدیلی نہ
پائی" ہوتی تو ایذارسانیاں ہی کیوں ہوتیں۔ اور مسیحیوں کی سرفروشی کی
نوبت ہی کیوں آتی۔ سلطنت روم کی سرزمین ان کے خون سے لالہ زار کیوں
بنتی۔ مشرکوں نے کسی زمانہ میں بھی مسیحیوں کے رسوم ورواج اوران کی
عیدوں اور تہواروں کو دیکھ کر ان کے عقائد کو جان کر یہ نتیجہ نہ نکالا کہ مسیحی
توہمارے ہی معبودوں کی عزت وتکریم کررہے ہیں۔ ان کی عیدیں ہماری
عیدیں اور ان کے تہوار ہمارے ہی تہوار ہیں۔ ان کے معبد ہماری طرح کے
اوران کے منک اور نن ہمارے ہی پروہت پجاری اوران کی رسوم ہماری ہی
رسوم ہیں۔ مسیحیوں نے بھی ان کو کبھی نہ کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان
کوئی فرق نہیں ۔ برعکس اس کے وہ" رومی بت پرستی پر ہمیشہ لعن طعن
کرتے" رہتے تھے " اس بنا پر قدرتاً اہل روم کی آتش غضب ان کے خلاف
بھڑکی" (جلد اول صفحہ ۳۴۶ وگبن جلد اول باب ۱۵) لیکن صاف طورپر
مذہبی تعدی کے اسباب میں " بالا ترسبب خود مسیحیوں کی عدم رواداری" قرار
دیتا ہے اورکہتا ہے کہ" مسیحیت کی تعلیم محض اتنا ہی تو نہ تھی کہ وہ صحیح ہے

بلکہ بجز مسیحیت ویہودیت کے جملہ مذاہب باطل وشیطان کے پیدا کردہ ہیں جن
کے متبعین یقیناً موردآلام اخروی ہوں گے جو لوگ اس عقیدہ کے نشہ میں سرشار
تھے اور مشرکوں کی ہر ریت رسم کے پیچھے شیطان کا ہاتھ دیکھتے تھے ان سے یہ
کیونکر ممکن تھا کہ ان کے ساتھ صلح ورواداری رفق وآشتی کا برتاؤ رکھتے۔ وہ تبلیغ
کے کام میں سرگرمی سے مشغول تھے اوراس لپیٹ میں اپنے حریفوں کے ساتھ
سب وشتم ، تمسخروطنز، تذلیل وتوہین کسی شے میں بند نہ تھے بلکہ اکثر ان کے
معبودوں تک کی جن کی خوشی پر ان کے خیال میں ملک کی امن وخوشحالی کا
دارومدار تھا۔ انتہائی تحقیر میں مطلق باک نہ رکھتے تھے۔----وہ ایسے مذہب کی
اشاعت کو کیونکر پسند کرسکتے تھے جو قدم قدم پر اپنی غیر مصالحانہ روش سے
دوسروں سے ٹکراتا تھا جو اپنے سواد نیا کے مذاہب وادیان کو مٹادینا چاہتا تھا
اورجس کے متبعین سے دوسرے مذہب والوں سے دائمی جنگ رہتی
تھی----- یہ قطعی ہے کہ عدم رواداری وعدم مسالمت کے شواہد جیسے اس
جماعت میں نظر آتے ہیں ان کے جواب سے بھی تاریخ ہی خطرے میں نہ تھی
بلکہ ان کی حریت افکار وحریت عقائد تک کی اب خیریت نظر نہیں آتی تھی"
(جلد اول صفحہ ۲۵۵ تا ۲۵۹)۔ایسے مذہب سے یہ توقع رکھنا کہ وہ مشرکانہ
خیالات روایات سے اندریں حالات ایسا متاثر ہوگیا تھا کہ مشرکین اور مسیحی
دونوں ایک دوسرے کےمذاہب میں تمیز نہیں کرسکتے تھے۔ پرلے درجے کی
خام خیالی اور حماقت ہے۔ عیسائیوں نے جان دینی قبول کی لیکن قیصر کے

مجسمہ کے سامنے بخور نہ جلائی" انہیں جنگلی جانوروں کی کھال پہنا کر ان پر شکاری کتے چھوڑدیئے جاتے تھے جو ان کے جسم کی بوٹی بوٹی کرڈالتے یا اُن کے کپڑوں پر تیل چھڑک کر ان کے جسم میں جیتے جی آگ لگادی جاتی بہتوں کو صلیب میں لٹکادیا جاتا"۔(ایضا صفحہ ۳۶۲)" تعذیب وعقوبت کی وہ وہ صورتیں جن کے ذکرسے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کبیر السن مردوں اور ضعیف البحثہ عورتوں پر برابر استعمال کی جاتی تھیں اور مظلوموں کی جانب سے استقلال وپامروی کے وہ نمونے پیش ہوتے تھے جو آج تک دنیا کے لئے باعث حیرت ہیں"(ایضاً صفحہ ۳۷۲) مسیحیت کے اسی غیر مصالحانہ روش کی وجہ سے ڈایو کلیشین کا شریک سلطنت گلیریس مسیحیت کا جانی دشمن تھا۔ اس قیصر کو بت پرستی کے ساتھ خاص شغف تھا اوراس کے تمام درباری بت پرست اور دیوتاؤں کے عاشق تھے۔ اب اگر خواجہ صاحب کا دعویٰ صحیح ہوتا اور مسیحیت صرف آفتاب پرستی اور دیوتا پرستی ہی ہوتی تو یہ قیصر اس کے پیرووں کا سب سے زیادہ ہوا خواہ ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی ایذارسانی نے تمام پہلی ایذارسانیوں کو مات کردیا اس نے گرجے منہدم کردیئے انجیلوں کے نسخے جلوادیئے عیسائیوں کے ملکی اورسیاسی حقوق چھین لئے اور حکم دیا کہ اگر وہ عبادت کے لئے کہیں جمع ہوں تو قتل کردیئے جائیں ۔ ایذا اور عقوبت کے نئے نئے طریقے اس نے جاری کئے جن میں سے سب سے کم روح فرسا طریقہ یہ تھا کہ دھیمی دھیمی آنچ میں زندہ عیسائیوں کو بھونا جاتا، غرض دیوتا پرستی اور مشرکانہ رسوم اختیار نہ کرنے کی وجہ سے ہی" مسیحی لوہے کی سرخ انگارہ کرسیوں پر بٹھلائے جاتے تھے اوران کے بھنتے ہوئے گوشت سے دھواں اٹھتا تھا۔ ان کا گوشت لوہے کے کانٹوں کی مدد سے ان کی ہڈیوں سے کھرُچا جاتا تھا۔ ان کے گرجاؤں کی کنواریاں سیافوں کی شہوت پرستیوں کی نذر کردی جاتیں یا کسی نایکہ کے حوالے کردی جاتی تھیں۔ دھیمی دھیمی آگ میں وہ گھنٹوں اس طرح بھونے جاتے تھے کہ اس عذاب کے مقابلہ میں ایک بارگی انہیں قتل کر ڈالنا ان پر رحم کرنا تھا۔ ایک ایک عضو دوسرے سے کاٹ کر الگ کیا جاتا تھا اوراس میں جلتا ہوا سیسہ پلادیا جاتا تھا۔ ان زخموں پر نمک مرچ اور سرکہ ڈالا جاتا تھا۔ یہ عذاب سارے سارے دن جاری رکھے جاتے تھے اورایک مرتبہ تو یہاں تک ہوا کہ ۲۲۷ آدمی اس حالت میں باہر نکالے گئے کہ ان میں سے ہر ایک شخص کی ایک ایک آنکھ اپنے حدقہ سے باہر نکال لی گئی ہے اور ایک ایک پیر سے ایک گوشت کا لوتھڑا سرخ انگارہ لوہے سے کاٹ لیا گیا ہے اور یہ دردناک عذاب جن کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں نازل کئے جاتے تھے اور مرد وعورتیں بلکہ کمزور ونازک لڑکیاں تک انہیں برداشت کرتی تھیں۔ حالانکہ صرف ایک لفظ انکار سے وہ بچ سکتی تھیں"(جلد اول صفحہ ۳۹۱)۔لیکن وہ لفظ انکار نہ نکلا پر نہ نکلا۔ لیکن خواجہ صاحب ہیں جو مصُر ہیں کہ مسیحیت فی الحقیقت وہی مشرکانہ مذہب ہے۔ خواجہ صاحب کو ہم صوبہ بیتھینیا کے ناظم پلینی کا مراسلہ سناتے ہیں تاکہ وہ مسیحیوں اور بت پرستوں میں تمیز کرسکیں۔ وہ قیصر ٹریجن

کو لکھتا ہے کہ "میں نہیں جانتا کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں کیا کارروائی کرنا چاہیے۔ درآنحالیکہ ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ بڑے بڑے گروہوں میں عدالت کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور لوگوں نے اس کثرت سے مسیحیت کو قبول کرلیا ہے کہ بتکدوں میں سناٹا سا رہنے لگا ہے"۔ مسیح کے عشق نے ان لوگوں کو موت کی طرف سے بے خوف کر رکھا تھا"۔ یہ ایک عام ہوا چل گئی تھی جس کو دیکھئے شہادت کے لئے مشتاق وبیتاب نظر آتا تھا۔ بلکہ کسی کسی زمانہ میں تو یہ شوق ایک عام جنوں کے درجہ تک پہنچ جاتا تھا"۔(ایضاً صفحہ ۱۳۳) عیسائیوں کی اس سرفروشی اور بے خوفی کا ذکر بت پرست مصنفین بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اپیکٹیٹس کہتا ہے کہ "کون روح اپنی خوشی اور اپنے ارادہ سے جسم سے جدا ہونا چاہتی ہے۔ہاں ضدوہٹ کی اور بات ہے۔ جس طرح کہ عیسائیوں کا شیوہ ہے"۔ پھر لوسین ایک جگہ لکھتا ہے کہ" - یہ بد قسمت مسیحی اس خبط میں گرفتار ہیں کہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔ لہذا ان کو جان دینے میں کوئی باک نہیں ہوتا بلکہ بہت سے تو اپنی خوشی سے جان دیتے ہیں"۔

ع ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

پس مسیحیت کی غیر مصالحانہ روش نے اس کو من وعن محفوظ رکھا اور مشرکانہ مذاہب وخیالات نے اس میں دخل نہ پایا۔مذاہب اسرار اوران کے بے شمار مریدوں نے مسیحیت کو اپنے میں سے ایک خیال کرکے اس کو لبیک کہا اوراس کے مسیح اوراس کی رسوم کی مہمان نوازی کرنا چاہی ۔لیکن روح القدس نے دیگر مذاہب کے ساتھ مصالحت کرنیکے خطرے سے کلیسیا کو آگاہ کردیا ------۔ ان مذاہب کی روحانیت کے ساتھ توہم پرستی اور فطرت پرستی دوش بدوش چلتے تھے۔ مسیحیت غالب ہونیکی خاطر نیچے نہ جھکی" [69]۔

نتیجہ۔ مشرکانہ مذاہب اور مسیحیت کی خصوصیات

ہم نے ناظرین پر مشرکانہ مذاہب کی حقیقت اوراسکے محاسن وقبائح ظاہر کردئیے ہیں۔ ارباب علم وفراست اب خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ خواجہ صاحب کے ادعاء میں کہاں تک صداقت پائی جاتی ہے کہ مسیحیت نے " جناب مسیح کو ایک طرف تومتھرا بعل، اسٹارٹی، بیکس، ایڈونس، آٹیس، اپالو، ہورس، اوسیرس کا قائم مقام بنادیا اور دوسری طرف ڈیمیٹر، آئی سس ہرتھا، نانا، جنو، چلمن، سملی، ڈائنا ، فرگا ، نیتھ کی قائم مقام جناب مریم ٹھہرائی گئیں" صفحہ ۵۵۔ ہم نے تفصیل کے ساتھ کام لیا ہے اوران دیوی دیوتاؤں کے غلیظ اوربیہودہ قصص کو اوران کی رسوم کو ناظرین کے سامنے دہرایا ہے تاکہ وہ انجیلی بیانات اوران خرافات میں خودہی تمیز کرلیں۔ ہم نے ان کے محاسن وقبائح، ان کی کامیابی اورناکامی کی وجوہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے اور اب ہم فیصلہ ارباب علم ودانش پر چھوڑتے ہیں وہ خود اس امر کو دریافت کرسکتے ہیں کہ مشرکانہ روایات وعقائد اورانجیلی بیانات وعقائد میں کچھ

[69] Angus, Mystery Religions and Christianity p.281.

واسطہ ہے یا نہیں اورانجیلی بیانات اور مسیحی عقائد کی خصوصیات وہی ہیں جو مقدم الذکر کی تھیں یا نہیں۔ اگر دونوں کی خصوصیات یکساں ہوں تب خواجہ صاحب کا دعویٰ حق بجانب ہوگا۔ لیکن جس شخص نے اوراق بالا کا بے تعصبانہ مطالعہ کیا ہوگا۔ اس پر یہ امر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ ان دونوں قسم کے مذاہب میں زمین آسمان کا فرق ہے چہ جائیکہ ایک دوسرے کا سرچشمہ یاماخذ ہو۔ دونوں کی خصوصیات الگ الگ ، ان کے ثمرات الگ الگ ، ان کے اثرات الگ الگ ، ان کی تاریخ اور نشوونما الگ الگ ، مسیحیت نے اپنی راہ لی اور اپنی خصوصی طرز سے نشوونما حاصل کی اور مشرکانہ روایات اور رسوم وعقائد کا اس پر اثر نہ ہوا۔ اس کی اعلیٰ تریں روحانیت اس کا امتیازی نشان ہے جو خصوصیت کے ساتھ مسیحیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اس کا یہہ امتیازی نشان مشرکانہ مذاہب میں نہیں پایا جاتا لہذا یہ مذہب اس کے ماخذ نہیں ہوسکتے۔ ان مذاہب میں بیسیوں خرافات کے درمیان کہیں صداقت کی دھندلی سی روشنی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ مذاہب یونانی رومی دنیامیں ہر دلعزیز ہوگئے تھے۔ ایک محقق اس خرافات کے دریا میں غوطہ لگا کر ایک معمولی قسم کا موتی نکال سکتا ہے ۔ لیکن ان مذاہب کا امتیازی نشان یہ صداقت نہیں بلکہ ان کی خصوصیت ان ہی خرافات کا طوفان بدتمیزی ہےاور ان مذاہب کا یہ خصوصی نشان ہے جو مسیحیت میں نہیں پایاجاتا لہذا مسیحیت ان مذاہب باطلہ سے ماخوذ نہیں ہوسکتی۔ جس شخص کو ان دیوی دیوتاؤں کے غلیظ ناپاک اور مخرب اخلاق قصص وروایات کے مطالعہ کرنے کا ناگوارا تفاق ہوا ہے وہ ان میں اور سیدنا مسیح کے پاکیزہ سوانح حیات اور آپ کی اعلیٰ وارفع تعلیم اورانجیلی تحریرات کے روحانی حقائق میں بعد المشرقین محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پس جب ان مذاہب کے اور مسیحیت کے امتیازی نشانات اور خصوصیات میں اس قدر تفاوت ہے توخواجہ صاحب کا یہ دعویٰ کہ یہ مذاہب مسیحیت کے ماخذہیں غلط اور باطل ثابت ہوگیا۔

باب سوم

مسیحیت اور دنیائے اخلاق

فصل اول

مشرکانہ مذاہب کے اثمار

گذشتہ باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ مذاہب اسرار درحقیقت ابتدا میں نیچری مذاہب تھے اور فطرت کی تبدیلیوں کی تشریح کے لئے ان کے قصے گھڑے گئے تھے اور جوں جوں زمانہ کی روش بدلتی گئی یہ مذاہب بھی اپنا رنگ بدلتے گئے اور بلند و بالا خیالات کی روح ان قصوں کی خشک اور مردہ ہڈیوں میں پھونکی گئی یہاں تک کہ وہ نجات اور ابدی حیات کے پیغام پہنچانے کا وسیلہ بن گئے۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان مذاہب نے اپنی ابتدائی خرافات اور بے ہودہ روایات کو کبھی ترک نہ کیا۔ اس کے برعکس بے ہودہ روایات کا عنصر ان میں ہمیشہ باقی رہا پس بہتر خیالات کی نئی مے ان پرانی مشکوں میں نہ سما سکی وہ اپنے پرستاروں کی اخلاقی حالت کو نہ سدھار سکے۔ وہ ان کے جذبات کو بھڑکا سکے لیکن اخلاقی احساس کو وہ چھو نہ سکے۔

رومی اخلاق کا انحطاط

رومی دنیا کے اخلاقی انحطاط پر تمام مسیحی مصنفین اور مشرک مورخین گواہ ہیں شاہنشاہیت کے وجود نے رومی شہریوں کے بہترین جذبات کو سلب کردیا تھا اور قیاصرہ صفات الہانہ سے متصف اور مرتبہ الوہیت پر فائز سمجھے جاتے تھے۔ سلاطین کی تصاویر اور بت مثل دیوتاؤں کے پوجے جاتے تھے۔ یہ شہنشاہ اخلاقی ذمہ واری سے برتر خیال کئے جاتے تھے اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ شہوت پرستی بہیمیت ظلم و شقاوت اور دیگر ذمائم ان میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ بادشاہ کی تقلید کرنا امرا کے لئے لازم اور عوام کے لئے باعث فخر تھا لہذا ذمائم اخلاق رومی زندگی کے رگ وریشہ میں سرایت کر گئے تھے۔

غلامی کی قبیح رسم نے رومی طبائع کو بد اخلاقی اور بد چلنی کی طرف زیادہ مائل کردیا ہوا تھا۔ مناکحت سے لوگوں کی طبائع متنفر ہوچکی تھیں۔ چنانچہ لیکی کہتا ہے۔ اب حالت یہ تھی کہ کوئی صیغہ عمل کوئی شعبہ حیات ایسا نہ تھا جس میں بدکاری کی سمیت نہ سرایت کر گئی ہو۔ امرا نشہ دولت میں سرست ہر وقت خوشامدی مصاحبوں کے حلقہ میں محصور اپنے بیمانہ جذبات کی سیری میں مشغول رہتے تھے۔ غلاموں کی جو کثیر تعداد وہ زیر فرمان رکھتے تھے وہ غلام کیا تھے افعال شنیعہ کے ارتکاب کے لئے اپنے آقاؤں کے آلات عمل تھے (جلد اول صفحہ ۲۶۳)۔

عام مردانہ ورزشوں کی کثرت نے لوگوں کے دلوں کو اغلام اور محبت خلاف وضع فطری کی طرف مائل کردیا اور یہ پلید عادت تھوڑے عرصہ ہی میں یونانی زندگی کے رگ وریشہ میں سرایت کر گئی۔ رفتہ رفتہ مشرکانہ مذاہب کے

طفیل اس میں مذہبی عنصر کی آمیزش بھی ہو گئی۔ لیکی لکھتا ہے" یہ عادت اس قدر عام تھی کہ ہمارا وہم وگمان بھی وہاں تک مشکل سے پہنچ سکتا ہے" زینو، ستویقی فرقہ کا بانی بڑا زاہد متقی اور پرہیزگار شخص تھا۔لیکن اس کی بابت ویوجانس لیریٹس بڑی مسرت سے لکھتا ہے کہ وہ" اغلام سے برائے نام شوق رکھتا تھا"۔ سوفکلیس بڑا مشہور شاعر تھا۔ اس کو اغلام کا خصوصیت کے ساتھ شوق تھا۔(جلد دوم صفحہ ۱۸۶)۔ یونان سے حکومت کے ساتھ نیک چلنی رخصت ہوچکی تھی۔ وہاں زناکاری ایک ممتاز شے خیال کی جاتی تھی۔ اور ایفروڈائی کی پرستش نے فاحشہ عورتوں کے پیشہ کو مذہبی طور پر قوت دے رکھی تھی۔ اسکے مندر کی پجارنیاں بازاری عورات تھیں۔ اور بابل ، بابلیس، ساپرس اور کارنتھ میں عصمت فروشی مذہب کا جزو بن گئی تھی۔ ان کے علاوہ میطس ، تیندوس، لیبوس، وابیڈرس کے خاص مندروں میں عصمت فروشی کا رواج تھا۔ یونانی حکما کے کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ اس امر کی لوگوں کو تلقین کریں کہ مرد وعورت کے تعلقات صرف شادی کی حدود کے اندرہی جائزہیں یونانی اس امر کو جانتےہیں نہ تھے کہ پاکیزہ زندگی بھی کوئی شے ہے۔ وہ غیر شہری عورات کے ساتھ بے تکلف ہو کر ناپاک زندگی گذارنتے اوراس کو کوئی معیوب شے خیال نہیں کرتے تھے۔ جیسا ہم ذکر کر چکے ہیں ان کے بہترین فلاسفہ اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور نہ دوسروں کو زناکاری سے باز رکھتے تھے۔ زینوفن ہمیں بتاتا ہے کہ سقراط جیسا عظم الشان پایہ کا شخص بھی اس بیہودگی سے خالی نہ تھا۔ جب اس نے مشہور طوائف تھیوڈوٹیا کے غارت کن حسن کا شہرہ سنا تو اس کے مکان پر معہ اپنے شاگردوں کے گیا اوراس سے اس کے نفیس مکان اورسامان آرائش وزینت کے متعلق استفسار کیا اورجب اس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ سب اسی حرام پیشہ کی کمائی کی بدولت ہے تو بجائے کسی قسم کے اخلاقی پندو نصیحت کے اس نے اس طوائف کے پیشہ کے فروغ کی تدابیر نہایت فصاحت کے ساتھ بیان کیں اوراپنے لیکچر کے خاتمہ پر یہ یونان کا عظیم الشان فلاسفر طوائف کے حسن وجمال کا اعتراف کرتا ہوا تمام سنجیدگی اورمتانت سے واپس آگیا!!۔

روما میں بد چلنی کا بول بالا تھا۔ رومی فاتحین مصر وایشیائے کوچک کے شہروں سے جو عرصہ سے بد چلنی کے مرکز تھے غلاموں کو اسیر کرکے لے آئے۔ یونانی غلام حسن وجمال میں لاجواب ہوتے تھے اور روم میں گھر گھر کثرت سے تھے اور شہوت رانی کا وسیلہ ہوا کرتے تھے۔مزید برآں اُمرا اور غربا تفریح کے لئے خونین مناظر کا تماشا کیا کرتے تھے۔ لیکی مورخ ہم کو بتاتا ہے کہ" اہل روم میں خون آشامی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ بڑے سے بڑے مناظر خونین کے نظارے سے بھی یہ پیاس نہیں بجھتی تھی۔ اس کے لئے بادشاہوں کو مجبور ہو کر نئے نئے طریقے سفا کی وخونریزی کے ایجاد کرنا پڑتے"۔ علم ادب کا یہ حال تھا کہ " جن اشعار میں فحش وبے حیائی اور شہوت انگیز خیالات کی بھرمار ہوتی وہ قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے اور جن کے کلام میں سادہ مضامین آمیزش فحش سے

پاک ہوتے انہیں کوئی پوچھتا تک نہ تھا(جلد اول صفحہ ۲۳۲)۔ سیبلی دیوی جو زندگی اور بقائے نسل انسانی کی دیوی تھی رومیوں میں بہت مقبول عام تھی ۔ رومی مردوزن اس کی پرستش میں مگن رہتے تھے۔ جس سے ان کے اخلاق پر نہایت بُرا اثر پڑتا تھا۔ اس کے اورآئی سس دیوی اور دیگر دیویوں کے مندروں میں کسبیاں اور فاحشہ عورات جیسا ہم گذشتہ باب میں ذکر کرچکے ہیں بکثرت رہتی تھیں ان کا پیشہ مذہب کے ساتھ وابستہ تھا اور عصمت فروشی اورزناکاری معیوب خیال کئے جانے کے بجائے کارِ ثواب خیال کی جاتی تھی۔غرضیکہ مسیحیت کی آمد کےوقت روم اخلاق سے معریٰ ، بد چلنی، شہوت رانی سفاکی اورسیہ کاری سے معمور اور وحشت اور کشت وخون سے لبریز تھا۔ اور یہ سب مشرکانہ مذاہب کی طفیل تھا۔ کیونکہ یہی ان کے اثمار تھے۔

ایک اور امر غور کے قابل ہے کہ یہ سیہ کاری کی حالت روم تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تمام دنیا پر حاوی تھی۔ چنانچہ مورخ لیکی کہتا ہے کہ " اگرآج کل کسی ملک پر اس طرح کا اخلاقی انحطاط چھاجائے تو اس سے یہ اندیشہ نہیں ہوسکتا کہ دنیا سے اخلاق رخصت ہوجائیگا کیونکہ آج دنیا متعدد اقطاع متمدن میں تقسیم ہوگئی ہے اوراگر کوئی ایک خاص ملک اخلاقی پستی میں آجاتا ہے تو یہ اطمینان رہتا ہے کہ دوسرے ممالک تو بدستور اخلاق کی بلند سطح پرقائم رہیں گے اوراس طرح روئے زمین کے کسی نہ کسی حصہ پر ہر وقت تمدن واخلاق کا چراغ روشن رہیگا۔ لیکن روم کی یہ حالت نہ تھی۔ اس وقت آج کل کی سی علیحدہ علیحدہ متعدد متمدن قومیں نہ تھیں۔ اس وقت دنیا میں صرف ایک قوم اخلاق وتمدن شائستگی وتہذیب کی حامل تھی یعنی خودرومی قوم۔ اس لئے اگراس میں یہ انحطاط اخلاقی آگیا تھا تواس کے معنی یہ ہیں کہ ساری دنیا سے اخلاق وتمدن کا چراغ گل ہوگیا تھا"۔(جلد اول صفحہ ۲۲۲)۔

فصل دوم

مسیحیت کے روشن کارنامے

معیارِ صداقت

مذہب کی صداقت کو جانچنے کا اعلیٰ ترین معیار اس کے پیروؤں کی عملی زندگی ہے۔ منجی عالمین نے فرمایا ہے " جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو ۔۔۔۔۔ ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔اسی طرح ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور بُرا درخت بُرا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت بُرا پھل نہیں لاسکتا۔ نہ بُرا درخت اچھا پھل لاسکتا ہے۔ پس ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے"۔ (متی ۷: ۱۵ تا ۲۰)۔ اگرہم اس معیار کو مد نظر رکھ کر رومی دنیا پر نگاہ ڈالیں اوراس زمانہ کی اخلاقی حالت پر مجموعی حیثیت سے نظر کریں توہم پر یہ امر قطعی طور پر روشن ہوجائیگا کہ رومی اور یونانی مذاہب اور مشرقی مذاہب وفلسفہ اس زمانہ کے اخلاق واطوار کو سدھارنے کے کس قدر ناقابل تھے ہم مختصر طور پر فقط چند ایک امور کا ذکر کرتے ہیں اوراپنی تائید میں صرف مستند مورخین کو پیش کریں گے۔ بقحوائے۔

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

ناظرین پر یہ بھی واضح ہوجائیگا کہ خواجہ صاحب کے دعوے میں کہ "مسیحیت درحقیقت وہی پیگن ازم (شرک) ہے" کس قدر صداقت ہے کیونکہ اگر یہ دونوں مذاہب فی الحقیقت ایک ہی ہیں اور مذہب وہی (یعنی شرک) رہا صرف معبود کا نام بدل گیا"صفحہ ۶۳ تو دونوں کے ثمرات یکساں ہونے چاہئیں۔ لیکن اگر دونوں کے نتائج بعد المشرقین ہوتو دونوں مذاب بھی ضرور بالضرور مختلف ہوں گے کیونکہ ایک ہی علت سے مختلف ومتضاد اثرات پیدا نہیں ہوسکتے۔ اگر اثرات مختلف اور متضاد ہیں تو ان کے علل بھی مختلف اورایک دوسرے کے متضاد ہوں گے۔ پس اگر تاریخ اس بات کی شاہد ہو کہ مشرکانہ مذاہب اور مسیحیت کے اثمار میں زمین آسمان کا فرق ہے تو ہر صداقت پسند شخص کو اس امر کے قبول کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ مشرکانہ مذاہب اور مسیحیت میں بعد المشرقین ہے۔

(۱)

اوّل ۔ روحانی پاکیزگی

ہم دیکھ چکے ہیں کہ جمہوریت کے خاتمہ پر اور قیاصرہ کے عہد میں رومی اخلاق میں ایک جامع اورہمہ گیر انحطاط واقع ہوگیا تھا۔ مشرقی بداخلاقی کے سیلاب نے روم کو تباہ کردیا اور زناکاری ہرجگہ رائج ہوگئی ۔ لیکی کہتا ہے کہ اس زمانہ میں "غلاموں کی گھر گھر کثرت اورغلام بھی ایسے جود نیا بھر کے آوارہ

خاندانوں کے چھٹے ہوئے ۔ یونانی اور ایشیائی خانگیوں کا داخلہ ہر گھر میں فحش تصاویر لگانے کا دستور ، تھیٹروں میں ایکٹروں کی نہایت حیاسوز حرکات واعمال دولت و ثروت میں دفعتہً افزائش ۔ استبداد حکومت کے باعث سیاسی مشاغل کا سد باب ان تمام چیزوں نے مل کر سیاہ کاری کی وہ گرم بازاری کردی جس کی کوئی انتہا نہیں۔۔۔۔ نوجوان سلاطین وامراوخوشامدی ارکانِ دربار سب کے سب اس رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے اور بڑے بڑے مصنفین واہلِ ادب مثلاً مارٹیل، اپولس، وینس، ولوسین تک کے صفحات فحش سے لبریز ہیں (جلد اول صفحہ ۱۹۲)زناکاری کا بازار گرم تھا اور نکاح کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں بے التفاتی پیدا ہوگئی تھی۔ طلاق کی گرم بازاری تھی۔ بات بات پر شوہر اپنی بیویوں کو چھوڑدیتے تھے۔ مقدس جیروم ایک عورت کی نسبت لکھتا ہے کہ اس نے ۲۲ آدمیوں کےساتھ عقد کرکے تیسیواں عقد ایک ایسے شخص کے ساتھ کیا تھا جو پیشتر ازیں بیس بیویوں کو طلاق دے چکا تھا اور ! "آوارگی، بد چلنی، شہوت پرستی ، شاہد بازی وجرایم خلاف وضع فطری کی جس قدر گرم بازاری روما کے دربار میں تھی آج یورپ میں کہیں اس کی نظیر نہیں مل سکتی"۔ (ایضاً صفحہ ۱۹۵)۔ سسرو نے اپنی تقریر میں ایک مرتبہ علے الاعلان کہا"اگر ہم میں سے کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ نوجوانوں کو فاحشہ عورات کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے تو میں کھونگا کہ اس کا خیال بھی بہت دشوار ہے۔ آج تک کسی نے اس کی پابندی کی ہے اور قدماء میں کب کوئی شخص بھی اس خیال کا گذرا ہے۔ کب اور کس زمانہ میں کسی نے اس کے جواز پر شبہ کیا ہے"۔ اس عالمگیر اخلاقی انحطاط اور سیاہ کاری کا مشرقی مذاہب اسرار علاج نہ کرسکے۔

بخلاف اس کے یہ حالت ان ہی مذاہب کی طفیل روز بروز خراب ہوتی گئی ۔اس زمانہ کے فلاسفہ بھی اس کا انسداد نہ کرسکے افلاطون اورارسطو کی تصنیفات میں توبہ کا نام ونشان بھی نہیں ملتا ہاں ستویقی حکما اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن لیکی کہتا ہے کہ ان کا" ضابطہ اخلاق تونہایت بلند ومکمل تھا لیکن عمل کا کہیں پتہ نہ تھا۔اصول اخلاق کتابوں کے صفحات اور حکما کی زبانوں تک محدود تھے (جلد اول صفحہ ۲۴۵) یہ دونوں اصلاح کرنے میں ناکام رہے لیکن "اب وہ آفتاب طلوع ہونے والا تھا جو عرصہ سے زیر سحاب تھا۔ اپنے اصول اخلاق کے حسن ولطافت اپنے زبردست مذہبی نظام۔ دینوی طاقت سے کام لینے کی قابلیت اوراپنے متبعین میں جو منتظم عقل وتدبیر کی صلاحیت اس نے پیدا کردی تھی ان مختلف اسباب کی بنا پر مسیحیت چندہی روز میں تمام مذاہب پر غالب آگئی ۔ اور صدیوں تک دنیائے اخلاق کی حاکم وحیدرہی ۔ (جلد اول صفحہ ۲۸۵)۔

مسیحیت کی آمد نے شہوت رانی، زناکاری، عصمت فروشی، اورجرائم خلاف وضع فطری اور دیگر شرمناک فواحش کا ہمیشہ کے لئے سد باب کردیا۔ اس کے بانی نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا تھاکہ " مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے " اور کلیسیا نے اس پر خاص زوردیا۔ یہاں تک کہ

شرم وحجاب کا جذبہ لوگوں میں پیدا ہوگیا اور علم ادب سے فحش کا عنصر جاتا رہا۔ مورخ لیکی کہتا ہے کہ" مشرکانہ ومسیحانہ اخلاق کی بہت بڑی فارق یہ شے ہے کہ مشرکوں کا اخلاق ان کے فلسفہ کا جز تھا۔ برخلاف اس کے مسیحیوں کا اخلاق ان کے مذہب کا جزو تھا۔ اول الذکر کے یہاں جوکچھ سرمایہ اخلاق تھا وہ نام تھا ان حکیمانہ اصول کا جو فلاسفہ نے بعد غوروخوض کے قائم کئے تھے۔ وہ فلاسفہ ہی کے موزوں تھے اور عوام کو ان سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بہ خلاف اس کے آخر الذکر کا نظام اخلاق ان کے مذہب کا جزو فلاسفہ ہی کے موزوں تھے اور عوام کو ان سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بہ خلاف اس کے آخر الذکر کا نظام اخلاق ان کے مذہب کا جزوغیر منفک تھا جو مذہب کےقائم کردہ حدود عبارات معتقدات ومعاملات سےذرا بھی الگ نہ تھا اور اس واسطے عوام وخاص سب پر یکساں موثر تھا(جلد دوم صفحہ ۲۲۱) پھر کہتا ہے "اسقدر قطعی ہے کہ مذہب واخلاق میں جس قدر صریحی بلاواسطہ اور قریبی آمیزش واتحاد مسیحیت نے پیدا کردیا یہ اس سے پیشتر دنیا کے لئے نامعلوم تھا اس نے مذہبی تقدس اور برگزیدگی کی بنیاد فصیلت اخلاقی پر رکھی اور موثرات قوی سے کام لے کر وجود باری، بقائے روح دو فرائض انسانی کے مسائل کو جن تک قدما کا تخیل بھی نہیں پہنچتا تھا وقف عام کردیا(ایضاً صفحہ ۲) قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ طوائف کا طبقہ ذلت آمیز قرار پاگیا۔عقد نکاح ایک مذہبی رسم قرار پاگیا۔ مسیحیت کی تعلیم نے مردوعورت میں مباشرت کا جائز طریقہ وحید صرف ناقابل انفصال عقد مناکحت ہے۔ ہمبستری کی ہر دگیر صورت کو قطعی طور پر حرام کردیا اور زناشوئ کے اہم اور دائمی وعدوں کو بے حد تقویت پہنچائی ۔ لیکی کہتا ہے کہ "طوائفوں کے بڑے بڑے چکلے جوزہرہ کے مندروں میں قائم تھے کہ یکسر بند ہوگئے ۔مذہب بجائے خود بد چلنی اور شہوت پرستی کا محرک نہ رہا۔ قدیم فحش تصویریں اور نقاشیاں جن کے آثار اب تک موجود ہیں امرا کی ضیافتوں کا یہ دستور کہ خواصیں برہنہ ہوکر کھانا کھلائی تھیں جرائم خلاف وضع فطرت جن کا رومی فرمانروا تک علانیہ ارتکاب کرتے تھے یہ سب چیزیں ایک ایک کرکے رخصت ہوگئیں۔۔۔ غرض وہ بیخوفی ڈھٹائی اور بے شرمی جو پیشتر گنہگاروں میں تھی مسیحیت کے اثر سے جاتی رہی "(جلد دوم صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۵) مسیحی متکلمین بہانگ دہل مشرکین سے کہتے تھے کہ اس کے ہزارہا شواہد اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ ہمارا مذہب شقی کو سعید، بدمعاش کو صالح، بدکار کو نیک چلن بنادیتا ہے اور قساوت کی جگہ دلوں میں الفت وخلوص رافت واخوت کی پاکیزگی بھر دیتا ہے۔ ان کے اس دعوے کو مخالفین تک تسلیم کرتے تھے اور یہ تسلیم کرنے والے کون لوگ تھے۔ کوئی ایسے ویسے نہیں، بلکہ لوسین، جولین، وپلینی جیسے جلیل المرتبہ کابر"(ایضاً صفحہ ۳۵)۔

علاوہ ازیں فلاسفہ اپنے پیرووٴں کو حسنِ اخلاق کی تعلیم تو دیتے تھے لیکن نیک اعمال کرنے کے لئے بہترین محرکات ومرغبات لازم ہیں۔ مشرکانہ مذاہب میں محرکات کا فقدان تھا۔ فلاسفہ یہ امور لوگوں کے پیش نظر نہیں

کرسکتے تھے۔ محض یہ کہنا کہ عقل کے مطابق چلو اور نیک کام کرو کافی نہیں لیکی کہتا ہے کہ " مسیحیت کا کمال یہ ہے کہ اس نے بالکل بیغرضانہ وخود فراموشانہ طورپر محض خالصاً اللہ لوگوں میں نیکی و نیک چلنی کا جذبہ پیدا کردیا اور یہ مسیح کی محبت کے ذریعہ سے ، اشرافیہ کہتے تھے کہ خدا تبتع کرو۔ رواقیہ کہتے تھے کہ شاہراہ عقل پرچلو لیکن مسیحیت نے آکر کہا کہ مسیح سے محبت رکھو اور تمہارے اخلاق خود بخود درست ہوجائیں گے۔ محبت کی یہ پہلی صدا تھی جو دعوت اخلاق کے سلسلہ میں بلند ہوئی اوراس کا جوکچھ اثر ہوا وہ دنیا پرروشن ہے۔ ایپکٹیٹس ومتاخرین رواقیہ یہ کہنے لگے تھے کہ ہمیشہ ایک بلند اخلاق شخص کو بطور اسوہ حسنہ کے اپنے سامنے رکھنا چاہیے اوراس کی تقلید کرتے رہنا چاہیے۔ لیکن تقلید وتبتع اور الفت ومحبت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ یہ شرف مسیحیت کے لئے مخصوص تھا کہ اس نے دنیامیں سب سے اول بار لوگوں کو محبت کے راستہ سے اخلاق کی تعلیم دی اور نسل انسانی کے سامنے ایک ایسا بلند کیریکٹر ایک ایسی دلفریب شخصیت پیش کی جواپنی دلفریبی ومحبت سے ہر قوم ہرملک ہر زمانہ کو متاثر کرتی رہی ہے جو بہترین محرک اخلاق ہے جو انیس سو سال گذرجانے پر بھی بدستور قوی وموثر ہے۔۔۔ حقیقت میں مسیحی اخلاق کے چشمہ کا منبع یہی مسیح کی محبت رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پس جو لوگ ایک مرتبہ مسیح کے عشق ومحبت میں سرشار ہوجاتے ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں انتہائی خلوص وذوق سے کرتے ہیں جس میں نہ خوف کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ صلہ وتحسین کی " (ایضاً صفحہ ۵) مسیحیت سے پیشتر اخلاق ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ مسیحیت نے آکر اس میں روح پھونک دی اور روحانی مُردے یکسر زندہ ہوگئے۔

دوم۔ نفس انسانی کی وقعت

(۱) اسقاطِ حمل کا خاتمہ

یونانی رومی دنیا میں اسقاطِ حمل مطلق معیوب خیال نہ کیا جاتا تھا۔ ارسطو جیسے حکیم نے اسے نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ جب ملک کی آبادی ایک مقررہ حد سے تجاوز کرجائے تواس قاعدہ کو حکماً نافذ کرنا چاہیے یونان اور روم نے کبھی اس کو ناجائز قرار نہیں دیا اور مشرک مصنفین کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم اس زمانہ میں علانیہ اور بالعموم جاری تھی۔ لیکن مسیحیت نے اس رسم کا خاتمہ کردیا۔چنانچہ لیکی کہتا ہے ۔ مسیحیت کا شاید سب سے زیادہ روشن کارنامہ یہ ہے کہ اس نے نہ صرف عام طور پر لوگوں کو باہم حسن سلوک کی تعلیم دی بلکہ قتل انسانی کوایک معصیت کبیرہ قرار دے کر دنیا کی تاریخ اخلاق میں ایک بالکل جدید باب کا اضافہ کردیا اوراس سلسلہ میں سب سے بڑی بات یہ کی کہ حیات انسانی کے مفہوم سے اس نے حیات کے بالکل انتہائی دور کو مستثنیٰ نہیں رکھا بلکہ رحم مادر میں جس وقت سے نطفہ قرار پاتا ہے اسی وقت سے اس نے اس پر زندگی کا اطلاق شروع کردیا"۔ (جلد اول صفحہ ۱۷)۔

(۲) اطفال کشی کا استیصال

طفل کشی کی قبیح رسم یونانی رومی دنیا میں رائج تھی اور بغیر کسی تامل کے علانیہ کی جاتی تھی[70]۔ متروک اولاد کی تجارت کھلم کھلی رومی سلطنت کے کونہ کونہ میں کی جاتی تھی۔ مسیحیت نے اس بدنما دھبہ کو مٹادیا۔ متروک اولاد کی تجارت بند کردی اور صدہا مسیحیوں نے ایسی اولاد کی پرورش کی۔

(۳۔) مناظر سیافی کی بیخکنی

ان کے علاوہ سیافی مناظر رومی معاشرتی زندگی کے غیر منفک اُجزا ہوچکے تھے۔ عظیم الشان سیاف گاہیں رومی سلطنت کے ہر بڑے شہر میں ہوتی تھیں۔ جن کی نشست گاہوں میں رومی شہری تفریح طبع کے لئے ہزاروں کی تعداد میں خونی مناظر کا تماشہ کیا کرتے تھے۔ ان مناظر کو جن کے خیال سے ہی بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں دیکھتے دیکھتے رومی طبائع سی القلب اور بیدرد ہوگئی تھیں مشرکانہ مذاہب نے ان پر مذہبی استناد کی مہرلگادی تھی (لیکی جلد دوم صفحہ ۲۵)۔ اس بنا پر کسی مذہبی پیشوا یا حکیم کو ان کے انسداد کا خیال نہ ہوا۔ ان مناظر کی بیخکنی بھی مسیحیت نے ہی کی ۔ لیکی کہتا ہے " میرے نزدیک مسیحیت کا اصلی پُرفخر کارنامہ جس میں کسی مبالغہ کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ اس نے سیافی کا خاتمہ کرکے دنیا کے سامنے نفس انسانی کے احترام کا عملی نمونہ پیش کا درحقیقت جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ مناظر خونریزی کس طرح رومی زندگی ورومی تمدن کے اجزائے غیر منفک بن گئے تھے اور کس طرح بہتر سے بہتر باشندگانِ روما اس کے متعلق چشم پوشی سے کام لیتے تھے جب جاکر کلیسیا کی اصلاح کی پوری اہمیت کھلتی ہے اور پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر حکماء مشرکین شاذونادر کبھی ان رسموں کے خلاف آواز بلند کرتے بھی تھے تو محض فلسفیانہ حیثیت سے اور صرف اس قدر بتانے پر قانع ہوجاتے تھے کہ یہ تماشے اخلاق لیکن خلاف انسانیت ووحشیانہ ہیں۔ برخلاف اس کے مسیحیوں نے اس کی روم تھام بلکل مذہبی پیرایہ میں کی ۔وہ صرف اسے غیر محمود کھنے پر قانع نہ ہوئے بلکہ انہوں نے اسے متیقن طور پر قتل عمدہ کے درجہ میں رکھا جس کے لئے قاتل اور تماشائی دونوں روز حشر قابل مواخذہ ہوں گے ۔ خیال کیجئے تو یہ بہت بڑا فرق ہے"(جلد اول صفحہ ۲۳۹)۔

"اس باب میں مسیحیت ومشرکیت کی جو تعلیمات تھیں ان کے درمیان زمین وآسمان کا فرق تھا۔--۔ سیافی کا استیصال یقیناً ایک ایسا موضوع ہے جس کا ذکر مسیحی اثرات کے ذیل میں مورخ پورے فخر کے ساتھ کرسکتا ہے۔ مسیحیت نہ صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اس قدر خونریزی کو مٹادیا بلکہ لوگوں کے دلوں سے بیدردی شقاوت وقساوت کو نکال کر انسانیت کا معیار نہایت بلند کردیا اور یہ ایسی بڑی کامیابی تھی جس کی توقع نہ رفتار واقعات نہ مشرکانہ

[70] Fairweather, Jesus and the Greeks.p.151.

تمدن وشائستگی سے کی جاسکتی تھی اور نہ مشرکانہ فلسفہ سے اس کی جڑ رومی سرزمین میں ایسی مضبوط ہوگئی تھی۔۔۔۔ یہ صرف مسیحیت ہی میں قوت تھی کہ اس نے اس راستہ سے اس بھاری پتھر کو ہٹادیا۔ اس کامیابی کا سہرا مسیحیت اور صرف مسیحیت کے سر ہے۔ دسمبر کا مہینہ جوان ظالمانہ تماشوں کے لئے مخصوص تھا اس میں مسیحیت نے بہ کمال دانشمندی ایک دوسرا جشن یعنی ولادت مسیح رکھ دیا"۔ (جلد دوم صفحہ ۲۸ تا ۲۹)۔

(۴۔) خود کشی کا خاتمہ

خود کشی یونانی اوررومی دنیا میں سفر آخرت کا نہایت معزز طریقہ خیال کیا جاتا تھا[71] مشرکوں نے کبھی اس کے خلاف مذہبی بنا پر صدائے احتجاج بلند نہ کی۔ لیکن مسیحیت نے اس کو انتہائی ملامت کا مورد قرار دیا۔ اورانسان کو رضا وتوکل کے سبق سکھا کر صابروشاکر بنادیا۔" قدیم فلسفہ کی یہ کرامت تھی کہ اس نے تکلیف کی مذسومیت وقباحت کے دلوں سے مٹادیا۔ لیکن مسیحیت کا معجزہ یہ تھا کہ اس نے تکلیف کو انسان کے لئے خوشگوار بنادیا"(جلد دوم صفحہ ۴۳)۔

[71] Ibid p.153

(۵۔) عورتوں کا درجہ

یونانی رومی دنیا میں عورات کی حیثیت نہایت پست تھی۔ یونانی بیویوں کی زندگی مدۃ العمر غلامی میں بسر[72] ہوتی تھی۔ وہ لڑکپن میں اپنے والدین کی جوانی میں اپنے شوہروں کی اور بیوہ ہونے پر اپنے فرزندوں کی غلام اور تابعدار ہوتیں۔ سپارٹا کے قانون کے مطابق بوڑھے اور ضعیف القویٰ شوہروں پر لازم تھا کہ وہ اپنی کم سن بیویاں نوجوانوں کے حبالہ نکاح میں دیدیں تاکہ فوج میں قوی سپاہیوں کی تعداد زیادہ ہو۔ رومی قانون[73] کے مطابق شوہر یا باپ خاندان کا افسر ہوتا تھا اوراس کو اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا۔ وہ عورت کو جب چاہے اپنے گھر سے نکال سکتا تھا بلکہ مابعد کے زمانہ میں تو اس کے اختیارات اس قدر وسیع ہوگئے تھے کہ اگر وہ چاہتا تو بیوی کو قتل بھی کرسکتا تھا۔ پلوٹارک اپنے ہم عصروں اورہم مذہب مشرکین کے خیالات وجذبات کی ترجمانی ذیل کے الفاظ میں کرتا ہے"۔ بیوی کا کوئی دوست نہیں ہونا چاہیے سوائے اس شخص کے جو اس کے خاوند کا دوست ہو۔ چونکہ خدا سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں ہوسکتا لہذا بیوی کو ہر گز کسی معبود پر ایمان نہیں لانا چاہیے۔ بجز اس خدا کے جس پر اس کے خاوند کا ایمان ہے"۔

[72] Ibid.p.151.

[73] Hobhouse, Moralsin Evolution vol.1.chp.5

چونکہ رومی یونانی دنیا میں عورات کا درجہ نہایت پست تھا اور مردوں کا درجہ بلند تھا لہذا ان کے نظام میں وہ تمام صفات جو دوسروں سے مخصوص ہیں محمود خیال کی جاتی تھیں اور وہ صفات جو عورتوں سے مخصوص ہیں مذموم قرار دی جاتی تھیں۔ لیکن مسیحیت نے اس کی کایا پلٹ دی اوران صفات کوجو عورات سے مخصوص ہیں افضل قراردیدیا ۔ پروفیسر سیتھ کہتا ہے کہ " مسیحیت نے جو عظیم الشان تبدیلی دنیائے اخلاق میں پیدا کردی یہ ہے کہ اس نے تنگ اور مردانہ فضائل کی بجائے جو قدماء کا نصب العین تھیں نسوانی فضائل کو نیکی کا جوہر قراردیدیا۔۔۔۔ مسیحی فضائل کا دائرہ اب میدان جنگ نہ تھا۔ بلکہ اب غربا کی مدد بیماروں کی تیمارداری اورمظلوم ومتروک کی خبر گیری کرنا کار ثواب سمجھا جاتا تھا"[74]۔

پروفیسر گلبرٹ مرے جس کی کتاب میں سے بھی خواجہ صاحب نے اپنے نتائج اخذ کئے ہیں خود کہتا ہے کہ متھرا کا مذہب دواہم امور میں مسیحیت سے فرق تھا۔اول متھرا کا مذہب ایک فوجی مذہب تھا اور وہ مردانہ خوبیوں اور جنگی فضائل پر زور دیتا تھا۔ دوم اس کے پرستاروں کی صف میں ہم کو عورات نہیں ملتیں۔ اور یہ قدرتی بات تھی کیونکہ متھرا کو تاریکی کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نازک صنف کی ضرورت نہیں تھی بلکہ جنگ جو اشخاص کی ضرورت تھی[75]

[74] Seth, Ethial, Principles p.348.
[75] Murray, Pagan Religions at the Coming of Christianity in Peak's Commentry pp. 632, 633

" مورخ لیکی کہتا ہے " مسیحیت کاایک خاص کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اخلاقی تخیل میں تبدیلی پیدا کرکے فضائل نسوانی کو ایک خاص شرف وامتیاز عطا کردیا۔۔۔ یہ انقلاب حالت تمام تر مسیحیت کا نتیجہ تھا جس نے قدیم یونانی (اور رومی) تخیل کو فنا کرکے اس کی جگہ علم وانکسار خلق، وتپاک برق وملاطفت تسلیم ورضا لفت محبت کے جذبات مخصوص بہ نسوان کو رفعت بخشی"۔(جلد دوم صفحہ ۲۱۹تا۲۲۰)۔

سوم۔ اخوت انسانی کی تلقین

افلاطون کا فلسفہ اور اُخوت

افلاطون کا فلسفہ اگرچہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے بلند پایہ کا تھا ۔لیکن اس میں درجہ بندی کی قیود موجود تھیں۔ بعض انسان دوسروں سے فطرتی طور پر ادنیٰ خیال کئے جاتے تھے۔ جس طرح فی زمانہ ہندوستان میں اچھوت ذاتیں قدرتی طور پر پیدائش ہی سے ادنیٰ اور حقیر خیال کی جاتی ہیں۔ ایسا فلسفہ اس قابل نہیں ہوسکتا کہ دنیا کو شاہراہ ترقی پر چلاسکے۔ گوستویقی حکما اخوت کا دم بھرتے تھے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسیحیت نے ہر طرح کی درجہ بندی کو مٹادیا اور ناصرت کے حقیر نبی نے اخوت اور مساوات کا سبق کل دنیا کو سکھادیا۔

(۱-) غلاموں کی عظمت

یونانی رومی دنیا میں غلاموں کے ساتھ انتہائی درجہ کا جوروتشدد روا رکھا جاتا تھا اور غلام قدرتاً ایسے آقاؤں کے خلاف ہی رہتے تھے۔ روم میں یہ عام کہاوت تھی کہ اگر کسی شخص کے دشمنوں کی تعداد معلوم کرنا ہو تو اس کے گھر کے غلاموں کو گن لو۔ یہی وجہ تھی کہ جب کوئی آقا قاتل ہوجاتا تو رومی قانون کے مطابق تمام غلاموں کو سزائے موت ہوجاتی۔ بعض اُمرا تو اپنے غلاموں پر یہاں تک ستم ڈھاتے تھے کہ تفریحاً مچھلیاں پال کر اپنے غلاموں کا گوشت ان کو بطور خوراک کھلاتے تھے۔ قیاصرہ کے زمانہ کی ابتدا میں غلاموں کی شادی قانوناً ناجائز قرار دی گئی اور ان کے ساتھ حرامکاری اغلام وغیرہ بے معنی الفاظ رہ گئے۔ ان کو سزائیں بھی روح فرسا اور ہولناطریقوں سے دی جاتی تھیں۔ ارسطو کے ہمعصر یونانی انسانی حقوق کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ اہلِ یونان غلامی کو نہ صرف جائز بلکہ قدرتی شے تصور کرکے غلاموں سے بدترین سلوک کرتے تھے جس کے خیال سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مسیحیت نے دنیا میں آکر نسل انسانی کو اُخوت کا سبق پڑھایا۔ اس نے نئی انسانیت کو خلق کرنے کا بیڑا اٹھایا تاکہ لوگوں کے دل کلیتہً تبدیل ہوجائیں اور غلام اور آزاد کی تفریق کا ڈنگ مٹ جائے۔ مثلاً پولوس رسول انیسیس غلام کو " اپنافرزند" کہتا ہے جو " قید کی حالت میں مجھ سے پیدا ہوا" جو پہلے غلام تھا۔ اب مسیحی ہوکر" کلیجے کا ٹکڑا" ہوگیا اور " اب سے غلام کی طرح نہیں بلکہ غلام بہتر ہوکر یعنی ایسے بھائی کی طرح ہوگیا جو" جسم میں بھی اور خداوند میں بھی نہایت عزیز ہوگیا۔ مسیحیت کی اخوت کا اصول یہ تھا کہ " ہم سب نے خواہ یہودی ہوں خواہ یونانی خواہ غلام خواہ آزاد ایک ہی روح کے وسیلے سے ایک بدن ہونیکے لئے بپتسمہ لیا"(۱-کرنتھیوں ۱۲ : ۱۳)" سب جتنوں نے مسیح میں شامل ہونیکا بپتسمہ لیا مسیح کو پہن لیا۔ نہ کوئی یہودی رہا نہ یونانی نہ کوئی غلام نہ آزاد--- تم سب مسیح یسوع میں ایک ہو" (گلتیوں ۲: ۲۸، کلسیوں ۳: ۱۱) مسیحیت نے انسانی فرائض اورانسانی تعلقات میں ایک نئی روح پھونک دی۔ حریت اور مساوات کی سرورانگیز صداؤں نے فضائے عالم میں ایک دلپذیر تبدیلی پیدا کردی۔ لیکی کہتا ہے کہ "مسیحیت نے انسانی اخوت ومساوات کا ایک نیا تخیل پیش کیا جس نے ذات پات اور درجہ بندی کی تعریف کو مٹادیا" اور یہ مقصد اس طور پر حاصل کیا" کہ عملی زندگی کے ہر شعبہ میں آقات وغلام کی تفریق کو مٹادیا۔ اصطباغ لینے یا تبرکات حاصل کرنے نماز پڑھنے اور دعائیں مانگنے میں دونوں برابر اور ہم درجہ تھے----۔ غلاموں کے لئے یہ بالکل جائز ہوگیا کہ آزادی حاصل کرکے پادری ہوجائیں -چنانچہ یہ بارہا دیکھنے میں آیا کہ آقا نزع کے وقت اپنے آزاد شدہ غلام کے جواب پادری ہوگیا ہے قدموں پر سر رکھے اپنے لئے دعائے مغفرت کررہا ہے " (جلد دوم صفحہ ۴۷) مسیحیت کی ان صدیوں کے دوران میں ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ غلاموں کو آزادی بجائے اخوت اور مساوات کا یہ حال تھا کہ ۲۰۰ء میں ایک حقیر غلام روم کا اسقف ہوگیا تھا۔

قسطنطین نے غلاموں کو آزاد کرنے کا کام کلیسیا کے سپرد کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں کو آزاد کرنا ایک مذہبی فرض سمجھا گیا اور خاص مذہبی تہواروں پر یہ رسم خصوصیت سے ادا ہونے لگی۔ آزاد شدہ غلاموں کو وہی حقوق مل گئے جو آزاد رومی شہروں کو حاصل تھے یہاں تک کہ معزز خواتین آزاد کردہ غلاموں سے شادی کرسکتی تھیں۔

نہ صرف مسیحیت نے غلاموں اور قیدیوں کو آزاد کیا اور غلاموں اور آقاؤں کی تفریق کو مٹادیا اور یوں انسانی اخوت کا سبق دنیا کو سکھایا بلکہ اس نے غلاموں کی اخلاقی عظمت بھی قائم کردی۔ جس طرح اس نے دنیائے اخلاق میں مردانہ نیکیوں کی بجائے فضائل نسوانی رکھ کر عورات کی حیثیت میں عظیم الشان تبدیلی پیدا کردی تھی اسی طرح اب اس نے ان عادات کو جو آقاؤں کے ساتھ مخصوص تھیں مذموم قرار دیدیا۔ اورانکساری ، فروتنی اطاعت تسلیم ورضا اور صبر وشکر بہترین نیکیاں قرار دے کر غلاموں کی اخلاقی عظمت کو قائم کردیا۔

(۲۔) اسیروں کا فدیہ

مسیحیت نے غلاموں کو آزاد کرنے پر ہی قناعت نہ کی بلکہ اسیروں کو رہائی دینے اور دلوانے میں بھی اس نے پہل کی لیکی کہتا ہے کہ " قیدیوں کو چھڑانے میں مسیحیت کاجواحسان ہے اسے دنیا نہیں بھول سکتی "(جلد دوم صفحہ ۵۰)ایک دفعہ رومی فوج نے سات ہزار ایرانی گرفتار کئے اوران کی خوردونوش کا کوئی انتظام نہ کیا تو" باوجودیکہ اہل ایران مسیحیت کے جانی دشمن تھے آمیذا کے پادری اکیسیس نے یہ کہکر کہ " خدا زیورات سے مستغنی ہے" اپنے گرجا گھر کا تمام سازو سامان فروخت کر ڈالا اوراس کے فدیہ سے ان کے قیدیوں کو رہائی دلا کر انہیں پھر ان کے ملک میں بہ خیرو خوبی واپس کردیا۔اس کے بعد پھر تو بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ڈیو گریٹس ، سینٹ آگسٹائین ، سینٹ گری گوری، سینٹ قیصرلس، سینٹ اکسوپریس، سینٹ ہلیری، سینٹ ریمی، سینٹ ساپرین ، سینٹ ایپی، نینس، سینٹ اونیس، سینٹ ایلجبیں، سینٹ پالینسیس، غرض کوئی کہاں تک نام گنائے ان سب نے اپنا طرز عمل یہی رکھا(ایضاً صفحہ ۱ ۵)۔ لیکی کہتا ہے کہ " میرے نزدیک مسیحیت کا یہ اثر انتہای اہمیت رکھتاہے"(جلددوم صفحہ ۴۸)۔

(۳۔) غربا پروری اور سخاوت کا صحیح مفہوم

اخوت انسانی کا عملی پہلو غربا پروری ہے۔ مسیحیت نے محبت کی تعلیم پر زوردے کر امیر وغریب کے فرق کا ڈنگ نکال دیا۔ اہلِ یونان کے نزدیک غریب مفلس بیمار اور مصیبت زدہ کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ارسطو کی نیکیوں کی فہرست میں رحم خیرات اور سخاوت وغیرہ کہیں نہیں ملتے۔ سقراط اور افلاطون ان نیکیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ۔ سقراط نے کبھی کسی سے غربت اور افلاس کی نسبت سوال نہ کیا۔افلاطون کی نظر میں تمام ، بیمار اور مریض قابل نفرت تھے اس کا خیال تھا اور مریضوں اور بوڑھے انسانوں کا زندہ رہنا ملک کے حق میں مفید نہیں لہذا ان کو قتل کردینا چاہیے یتیموں،

بیواؤں ، اور مصیبت زدوں کے لئے یونان کے فلاسفہ کے دل میں کبھی رحم چھوڑ خیال بھی نہ آیا۔

روم میں مفلس لوگوں کی ایک کثیر جماعت تھی ، جو کام کرنا کسر شان خیال کرتی تھی کیونکہ کام کرنا غلاموں سے مخصوص تھا۔ یہ جماعت کاہل اور اپاہج ہوگئی تھی، تجارت ، صنعت وحرفت کی طرف سے بے اعتنائی ہوگئی ۔ رومی قیاصرہ ہر دلفریزی اور دیگر سیاسی وجوہ کی خاطر ان لوگوں میں مفت غلہ تقسیم کیا کرتے تھے اور یہ دستور رومی زندگی کا ایک جزو اعظم بن گیا تھا ۔ مسیحیت نے کام کی عظمت قائم کرکے ان مفت خوروں کی جماعت کا قلع قمع کردیا اور خیرات کو صرف مستحق لوگوں تک محدود کردیا اور یوں رومی دنیائے اخلاق اس خیرات کا ایک نیا تصور پیدا کردیا۔ لیکی کھتا ہے کہ" مشرکانہ اور مسیحانہ طرز خیرات میں عظیم الشان فرق تھا۔ ---مسیحیت نے خیرات کا جو درجہ مقرر کیا جس پیمانہ پر اسے پھیلایا جس اسلوب پر اسے چلایا ان میں سے کسی لحاظ سے قدماء اوران کی ہمسری نہیں کرسکتے ۔ اس وقت خیرات تقریباً تمام تر ایک سرکاری کارروائی ہوتی تھی۔ جس کا مقصد رفاہ خلق نہیں بلکہ سیاسی حکمت عملی ہوتی تھی۔-----اشخاص کی خانگی فیاضیاں ، افراد کی ذاتی خیراتیں جو مسیحی جماعات کی ہرملک وہر زمانہ میں اجزاء غیر منفک رہی ہیں ان کا قدماء کے یہاں کھیں نام ونشان بھی نہ تھا اوران کے حکماء اخلاق میں بجزدوایک کے اور کسی نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔--- دنیا میں سب سے اول بار مسیحیت نے یہ بتایا کہ سخاوت انسان کے فرائض اخلاق میں داخل ہے اور تمام معلمین مسیحیت اس تعلیم کو زور کے ساتھ پیش کرتے رہے۔اس سے بھی زیادہ پُراثر طریقہ مسیحیت نے یہ اختیار کیا کہ خود مسیح کو فقر ومسکنت کا مجسمہ قرار دیا اور اس لئے جو لوگ فقراء ومساکین کی امداد کرتے تھے وہ گویا خود مسیح کی خدمت کرتے تھے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سخاوت وفیاضی مسیحیت کا جزوغیر منفک بن گئی جس سے مسیحی کسی وقت اور کسی حال میں بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ (ایضاً صفحہ ۵۱ تا ۵۲)بکسلے کھتا ہے کہ " بائبل ابتدا سے دورحاضرہ تک غریبوں اور مظلوموں کے حقوق کی محافظ ہی رہی [76]۔

قصہ کوتاہ مسیحیت نے دنیا میں آکر دنیا کی کایا پلٹ دی۔ اور دنیائے اخلاق نے ایک ایسا سبق سیکھا جو مشرکانہ مذاہب وفلسفہ سے دنیا ہر گز نہ سیکھی اور نہ سیکھ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحیت کو اس قدر کامیابی نصیب ہوئی اور بت پرستی دنیا سے مٹ گئی۔ان بتوں کے پروہت اور پجاری منجئی عالمین کے قدموں میں آگئے یہاں تک کہ اب ان ناپاک دیوی دیوتاؤں کے ناپاک کاموں اور غلیظ قصوں کا ذکر بھی شرم کی بات خیال کی جاتی ہے۔ لوگ ان کو بھول گئے ۔ ان کی روایات فراموش ہوگئیں اور ایک غریب نجار فاتح ہوا۔ سچ ہے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (قرآن ۱۷ : ۸۳) یعنی

[76] Huxley, Essays on Controverted Questions p.52.

حق آگیا ہے اور باطل دور ہو گیا ہے ۔ اور باطل نیست ہوجانے والی شے ہے۔
مسیحیت فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتی ہے۔

ع قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا